مُجاهد اسلام

شهید نوّاب صفوی

« اُسوهٔ جهاد و شهادت »

۱۳۶۰
سازمان تبلیغات اسلامی

علماء و دیگر

NAJAFI CASSETTE LIBRARY
Baitul Sajjad - Baitul Shabbir,
Opp: NISHTAR PARK,
Soldier Bazar No. 2, Karachi

مجاہدِ اسلام

شہید نواب صفوی

"اسوۂ جہاد و شہادت"

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

NAJAFI CASSETTE LIBRARY
Baitul Sajjad : Baitul Shabbir,
Opp: NISHTAR PARK,
Soldier Bazar No. 2, Karachi

ACC No. 1223 Date........
Section D/2 ....Status........
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

نام کتاب : مجاہد اسلام شہید نواب صفوی

ماخوذ از : مجلہ سروش

ترجمہ : سید مظہر عباس ایڈوکیٹ کراروی

ناشر : سازمان تبلیغات اسلامی روابط بین الملل

تعداد : ۵۰۰۰

سائز : ۲۱ × ۱۴

تاریخ : جمادی الاول سنہ ۱۴۰۶ھ

پریس : چاپخانہ سپہر - تہران

MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)
JAFRI BOOKS LIBRARY
Karachi

شہید نواب صفوی اس شخصیت کا نام ہے جس نے ایک ایسے دور میں جبکہ ہر طرف آلودگیوں، ناپاکیوں اور برائیوں کا دور دورہ تھا، انسانوں کو راہ حقیقت دکھانے کے لئے پرچم اسلام کو اپنے ہاتھوں پہ بلند کیا تھا اور اپنے گرد و پیش کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو بتایا تھا کہ صرف اسلام ہی کی راہ انسان کے لئے راہِ فلاح و بہبود اور نجات ہے۔ اس مرد مجاہد اور اسلام کے سچے شیدائی نے عاشورائے حسینی کے افکار کو عام کرنے اور پرچم اسلام کو بلند کر کے اسلام کو حاکمیت دلانے کیلئے ہی جام شہادت نوش کیا تھا۔

فہرست

عنوان	صفحہ
۱- اداریہ	۱
۲- نواب صفوی کی زوجہ سے ایک انٹرویو	۶
۳- نواب صفوی کی عظیم الشان جدوجہد	۱۴
۴- طالقان کا سفر	۱۸
۵- نواب صفوی کی خواہش ملک میں اسلامی احکام کی ترویج	۲۶
۶- نواب صفوی کی خفیہ زندگی	۳۱
۷- نواب صفوی کی گرفتاری	۳۵
۸- فدائیان اسلام کا مظاہرہ اور گرفتاری	۴۱
۹- اخلاقی محاسن	۴۶
۱۰- اسلامی ممالک کا سفر	۵۲
۱۱- علماء پر قاتلانہ حملہ	۵۷
۱۲- دوبارہ گرفتاری	۵۸

عنوان	صفحہ
۱۳- عزت کی موت	۶۳
۱۴- نواب صفوی کی شہادت	۶۸
۱۵- امام خمینی سے عقیدت	۷۵
۱۶- لباس روحانیت سے عشق	۷۷
۱۷- نواب صفوی کی والدہ کے بیانات	۸۰
۱۸- ظلم و ناانصافی کے خلاف جدوجہد	۸۴
۱۹- نواب کے بھائی میرلوحی سے گفتگو	۹۲
۲۰- دشمنان پر نواب صفوی کا رعب	۱۰۱
۲۱- حسین اکبری سے ایک ملاقات	۱۰۸
۲۲- طلب شہادت	۱۴۵
۲۳- محترمہ میرداماد ی سے ایک گفتگو	۱۷۰

مذہبِ اسلام کا حقیقی مجاہد شہید نواب صفوی

ایک اسوۂ جہاد و شہادت

ہر کرا با عشق دمسازی فتاد　　کمترین چیز یش، جانبازی فتاد

"ہر وہ شخص جو عشق اختیار کرتا ہے، عشق کی راہ میں اپنے جان کی بازی لگا دینا اس کے لئے ایک معمولی بات ہوا کرتی ہے۔ یعنی اپنے معشوق کی خاطر جان دیدینا عاشق کے لئے کوئی بہت بڑی چیز نہیں ہے۔"

شہید نواب صفوی ایک ایسے مجاہد تھے جنھوں نے اپنی زندگی کو الٰہی اقدار اور اسلامی احکام کی حفاظت کے لئے پوری طرح وقف کر رکھا تھا۔ وہ اسلام کی راہ میں کی جانے والی مقدّس جد و جہد سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے اور دشمنان اسلام سے کسی قسم کی موافقت یا معاہدہ کے بجائے ان کی ناپاک سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ اسلامی معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعنوانیوں کے خلاف وہ برابر حملہ کرتے رہے۔ ان کی زبان پر صرف ایک ہی نغمہ تھا کہ انسانوں کو ہر قسم کی آلودگیوں سے نجات دلائی جائے۔ اور نجات حاصل کرنے کا واحد راستہ اسلامی حکومت کی تشکیل ہے۔ غرضکہ وہ ایسی حکومت کی تبلیغ کرتے رہے جس کے تحت حاکمیت مطلقہ صرف پروردگار کو حاصل ہو اور کمزور پسماندہ لوگوں کو ظالموں کے پنجوں سے نجات مل جائے۔

نواب صفوی جیسے مذہبی عالم نے انتہائی ناساز گار اور پر آشوب حالات

میں بھی دینی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ صرف پرچم اسلام کے سایہ ہی میں ظلم و نا انصافی سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک عاشق بیقرار کی طرح انھوں نے اپنا اور اپنے دلیر ساتھیوں کا مقدّس خون اس پرچم کی سربلندی کے لئے پانی کی طرح بہا دیا تا کہ اسلامی تحریک کو ابدی زندگی عطا ہو جائے۔

ظالم اور اسلام دشمن شاہی حکومت نے شہید نواب اور ان کے جانبازانہ ساتھیوں کو پہلے ایک رسّی سے کس کر باندھ دیا اور پھر ماہِ دی کی ۲۷ ویں صبح کو ان لوگوں پر بے تحاشہ گولیاں برسا دی گئیں۔ ان ظالموں کا یہ خیال تھا کہ گولیاں برسا کر حق و صداقت کی آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے گا۔ اور پرچم اسلام کو امریکی اسلحوں کی مدد سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ حالاں کہ ان کا یہ شرمناک خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

تاریخ گواہ ہے کہ فرزندانِ اسلام نے پرچم حق کی حفاظت کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں ذرّہ برابر کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ تنہا نواب صفوی ہی نہیں بلکہ پوری امّت اسلامیہ ایران نے اس بات کا عہد کر رکھا تھا کہ دین کی راہ میں شہادت کا پُرجوش استقبال کریں گے۔

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس قوم نے اپنے دین کی خاطر بے شمار نوجوانوں کی قربانی پیش کی ہے مگر حق پرستی اور خدا طلبی کی راہ سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹی۔ امریکہ غلام جلاد شاہی افسروں نے ہر ممکن کوشش کی کہ نواب صفوی کی اسلامی سرگرمیوں کو بندوق کے زور پر ختم کر دیا جائے مگر یہ تمام کوششیں

پوری طرح ناکام ہو کر رہ گئیں۔ اور نواب صفوی جیسا جوانمرد، باحوصلہ، حق پرست، نیک کردار اور حق طلب مذہبی عالم اپنی ذمّہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہمیشہ دشمنان اسلام کی نابودی اور اسلام کی سرفرازی کی راہ میں پُوری طرح منہمک رہا۔ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت تھے اور اسلامی جدوجہد میں دشمنوں سے کسی قسم کی سانٹھ گانٹھ اور معاہدہ کے لئے قطعی آمادہ نہ تھے۔ انھوں نے اپنی اس الٰہی تحریک کی کامیابی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں ذرّہ برابر ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔

لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج بھی بہت سے لوگ نواب صفوی کی تاریخی اہمیت سے بالکل ناواقف ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی کو بہتر اور خوشحال بنانے کے لئے جدوجہد کرنے والے سپاہیانِ اسلام کے حالات سے ہماری یہ ناواقفیت راہِ راست میں انحراف اور کجروی کا باعث ہوسکتی ہے۔ ہماری لاعلمی اور ناواقفیت ہی کی وجہ سے سیاہ باطن اور بداعتقاد بنی صدر ہم لوگوں کے سامنے شایگان، الٰہی یار صالح اور مُصدّق جیسے خیانت کاروں کی شان میں قصیدہ پڑھا کرتا تھا۔ اور انھیں تاریخ ایران کے نامور لوگوں میں شمار کیا کرتا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ شاہی مظالم کے خلاف نواب کی مسلسل اور دلیرانہ جدوجہد ہی کی وجہ سے شاہ پلید کو اپنے سیاسی موقف میں ترمیم کرنی پڑی اور اسطرح مصدّق کی حکومت کی تشکیل عمل میں آگئی۔ اس کے علاوہ تیل کو قومی ملکیت قرار دیئے جانے کی راہ میں بھی نواب صفوی نے گرانقدر اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ تو

یعنی کمیونسٹ پارٹی کے لوگ انھیں برطانیہ کا ایجنٹ کہا کرتے تھے، غیر انسانی اور گوریلا کارگزاریوں میں مصروف فدائیانِ خلق انھیں متعصب عالمِ دین کے نام سے پکارتے تھے اور امریکی مُفت خور لوگ انھیں آدم کش مذہبی عالم کے نام سے پہچانتے تھے۔ یہ تمام باتیں اس شخص کے بارے میں کہی جاتی تھیں جس کا ہر عمل اللہ کے لئے تھا اور جو اپنی قوم اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی بہبودی و بہتری کے علاوہ اور کچھ سوچتا بھی نہیں تھا۔ اور جس نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اسلامی اور مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پُوری طرح وقف کر رکھا تھا۔

شہید نواب صفوی کی اسلامی خدمات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ کہنا قطعی مبالغہ نہ ہوگا کہ شہید بہشتی کی طرح وہ بھی مظلوم انقلاب تھے عصرِ حاضر کی تاریخ میں بہت بڑے مظلوم ہیں۔ لہذا ہم لوگوں کا فریضہ ہے کہ اس جوانمرد سپاہیٔ اسلام کے حالات و خدمات سے لوگوں کو بخوبی آگاہ کرتے رہیں تاکہ یہ منافق اور فریب کار لوگ بے بنیاد اور جھوٹے الزامات کے ذریعہ ان بندگان خدا کے تابناک چہرے کو آلودہ نہ کر سکیں۔ اور دُنیا والوں کو تاریخی حقائق سے بخوبی آگاہ بھی کیا جا سکے اور لوگوں کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ بے بنیاد الزامات اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعہ حق کی آواز کو ہمیشہ کیلئے دفنا دیا جاتا ہے۔ اور آوازِ حق کو لوگوں تک پہنچا دینا ہر حق پسند آدمی کی عین ذمّہ داری ہے۔

چنانچہ اپنی بے بضاعتی اور ناتوانی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم نے اس بات کی پُوری کوشش کی کہ نواب صفوی جیسے باعمل مجاہد اسلام کی تابناک زندگی کے

بارے میں ان کے دوستوں اور رشتہ داروں سے مفید معلومات فراہم کی جائیں اور انھیں ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو اس مردِ حق پرست کی اسلامی خدمات کا علم ہو سکے۔ بارگاہِ عالیہ میں یہی دُعا ہے کہ وہ ہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم عظیم الشان مذہبی رہنماؤں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر سکیں۔ شہیدانِ راہِ خدا کی زندگی کا ہر پہلو ایک ایسا پیغام عمل ہے جس کی پیروی کے ذریعہ مذہبی رجحانات کو انحراف اور گمراہی سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ادارہ

مجاہد شہید نواب صفوی کی زوجہ سے ایک انٹرویو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

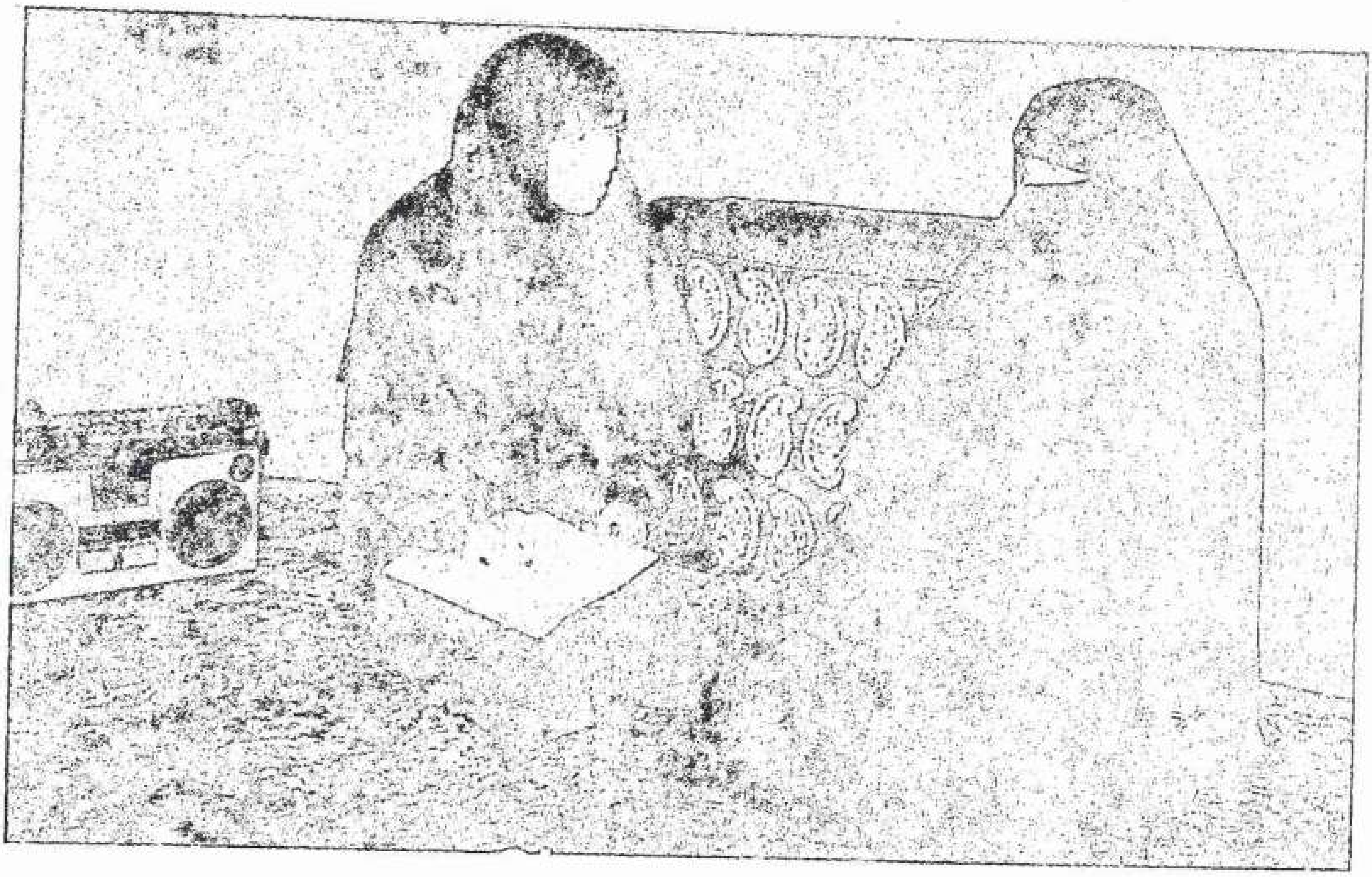

سنہ ۱۳۲۶ھ ش میں شہید بزرگوار نواب صفوی سے میری شادی ہوئی۔ میرے والد اور نواب صفوی ایک دوسرے کو پہلے ہی سے جانتے تھے۔ اور انقلابی سرگرمیوں میں برابر کے شریک بھی تھے۔ ظالم پہلوی حکومت کے خلاف برپا کئے جانیوالے انقلاب کی زمین پوری طرح ہموار ہو چکی تھی۔ اسی اثنا میں مسجد گوہر شاد میں بے گناہوں کے قتلِ عام کا ماجرا پیش آیا۔ میرے والد نے اس سلسلے میں متعدد مضامین تحریر کئے جس میں انھوں نے شاہی دور کی ظالمانہ حرکتوں کو پوری طرح بے نقاب کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ ادھر مرحوم نواب نے کسروی کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ چنانچہ میرے والد اور نواب صفوی کی دلی خواہش تھی کہ

ایک دوسرے سے ملاقات کریں۔ لیکن ان لوگوں کو علم نہ تھا کہ ملاقات کب اور کیسے ہوگی؟

یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایک جگہ یہ لوگ اچانک ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ میرے والد نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر نواب صفوی کو دکھایا۔ کارڈ پر نگاہ ڈالتے ہی انھوں نے کہا کہ آپ وہی نواب احتشامی ہیں جنھوں نے انقلاب خراسان میں زبردست حصّہ لیا تھا۔ میرے والد محترم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ جی ہاں۔ اس کے بعد مرحوم نواب نے کہا۔ میں نواب صفوی ہوں۔ اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عرصۂ دراز سے بچھڑے ہوئے دو دوستوں میں مُلاقات ہو گئی ہو۔

میرے والد بزرگوار نے تین سال تک قید خانے میں زندگی بسر کی، چار برس تک جلا وطنی میں گزارے اور چار سال تک خفیہ طور سے اسلامی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہے۔ جلاوطنی کے دنوں میں وہ ساوہ سے تہران تشریف لائے۔ اور ہم لوگ کرایہ کے مکان میں رہنے لگے۔ یہ غالباً ۱۳۲۶ھ ش کا زمانہ تھا۔ ایک روز میرے والد نے کہا کہ آج ہمارے گھر ایک سیّد بزرگوار آنے والے ہیں۔ تم اُن کی خاطر داری میں کوئی کمی نہ کرنا۔ جس وقت وہ تشریف لائے تو میں حیران رہ گئی کہ یہ سیّد بزرگوار تو بالکل جوان ہیں۔ حالانکہ میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ والدِ محترم سے ملاقات کی غرض سے آنے والے سیّد سن رسیدہ بزرگوار ہوں گے۔

اس طرح نواب صفوی اور میرے والد کے درمیان دوستی کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ماہِ رمضانُ المبارک آگیا۔ اس سالِ روزہ ۱۶ گھنٹے کا ہوا کرتا تھا۔ میرے والد بزرگوار دل کے مریض تھے پھر بھی انھوں نے روزہ رکھ لیا۔ چنانچہ جسم میں پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے

ان کی بیماری نے زور پکڑ لیا۔ اور حالت اتنی خراب ہوگئی کہ انھیں اسپتال میں بھرتی کرنا پڑا۔ اسی اثنا میں نواب صفوی ایک روز گھر تشریف لائے۔ انھیں والد صاحب کی بیماری کا علم نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے حسبِ معمول دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس وقت میری عمر تقریباً تیرہ چودہ برس تھی۔ میں نے دروازے کے قریب جا کر کہا کہ والد صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ آج کل اسپتال داخل ہیں انھوں نے دریافت کیا۔ آخر کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے۔ اسپتال میں ان کی عیادت کے لئے کوئی اور بھی ہے یا نہیں۔ میں نے جواب دیا نہیں اسپتال میں کوئی اور نہیں ہے۔ طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوگئی تھی لہذا اسپتال داخل ہونا لازمی تھا۔ یہ سن کر نواب صفوی بہت پریشان ہوگئے۔ اور اسپتال کے لئے روانہ ہوگئے۔ میرے والد نواب صفوی کو دیکھکر خوش ہوگئے۔

اسپتال جانے سے پہلے میرے والد نے نماز ادا کی اور بارگاہ عالیہ میں دست دُعا بلند کرتے ہوئے کہا تھا۔ پروردگار! میں تیری بارگاہ میں پلٹ کر آنے کیلئے پوری طرح آمادہ ہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ بس یہی ایک چیز مجھکو پریشان کئے ہوئے ہے کہ میرے کندھوں پر اس لڑکی کا بوجھ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میری موت کے بعد اس تیرہ چودہ سالہ لڑکی کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

اس سے قبل میری شادی کے لئے کئی پیغامات آئے لیکن میرے والد کو کوئی لڑکا پسند نہ آیا۔ وہ ہمیشہ یہی دُعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! میری لڑکی کے لئے کوئی ایسا مناسب اور مذہبی لڑکا مل جائے جس پر مجھے اعتماد ہو اور جو تیرے دین کا خدمت گزار بھی ہو۔

والد صاحب کی بیماری کے زمانے میں نواب صفوی کئی باران کی عیادت کے لئے اسپتال تشریف لائے تھے۔ اسی دوران وہ ایک روز گھر بھی آئے اور مجھ سے پوچھا کہ کسی قسم کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔ انھوں نے پھر دریافت کیا کہ آپ نواب احتشام کی صاحبزادی ہیں؟ میں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ اس کے بعد انھوں نے معذرت کی اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد جب وہ میرے والد کی عیادت کے لئے اسپتال گئے تو ان سے کہنے لگے۔ میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں لیکن شرم کی وجہ سے میری زبان نہیں کھلتی۔ والد صاحب نے کہا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں کہیں۔ اس کے بعد نواب صفوی نے کہا۔ اگر ممکن ہو تو جس طرح حضرت امیرؑ جناب پیغمبرِ اسلامؐ سے منسوب تھے میں بھی آپ سے ویسے ہی منسوب ہو جاؤں۔ میرے والد نے فوراً ہی جواب دیا کہ مجھے یہ رشتہ بالکل منظور ہے۔ آپ جیسا داماد میری خوش قسمتی اور افتخار کا باعث ہے۔ اس کے بعد نواب صفوی نے کہا کہ اپنی لڑکی کی شادی کے سلسلے میں آپ کی کیا شرطیں ہیں؟

میرے والد محترم نے کہا کہ جو شخص میری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کے لئے پہلی اور اہم شرط یہ ہے کہ وہ سیّد ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص دیانت داری اور خدا پرستی میں مثالی حیثیت رکھتا ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ زیور علم سے پوری طرح آراستہ بھی ہو خدا کا شکر ہے کہ یہ تینوں صفات آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ اسپتال ہی میں ہماری شادی طے ہو گئی۔ کچھ ہی دنوں بعد والدِ محترم اسپتال سے گھر واپس آ گئے اور نہایت ہی سادہ انداز میں ہماری

شادی ہوگئی۔ آیۃ اللہ فیض اور آیۃ اللہ حجت نے ہمارا نکاح پڑھایا اور ہماری شادی میں کوئی جشن نہیں منایا گیا۔

زمانہ گزرتا رہا۔ شادی کے بعد میں نواب صفوی کی عظیم شخصیت سے بہت متاثر ہوئی۔ ان کی ذات میں غیر معمولی کشش تھی۔ کچھ دنوں بعد میں نے نواب صفوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: بچپن ہی میں والدہ کی شفقت سے محروم ہوگئی تھی اور والد محترم نے سر کا بوجھ سمجھ کر مجھے اپنے آپ سے علحدہ کر دیا۔ میری اس بات سے نواب صفوی بہت متاثر ہوئے اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہنے لگے۔ دیکھو تم اس طرح کی باتوں کا احساس مت کیا کرو۔ میں تمہارا شوہر ہُوں، دوست ہُوں اور تمہاری ماں کی طرح تم پر مہربان ہوں۔

شہید نواب صفوی مجھے بہت چاہتے تھے۔ اکثر ان کی زبان پر یہ جملے رہا کرتے تھے کہ میں تو آپ کا خادم ہُوں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ ان جیسے دلیر اور صاحب علم و عرفان سے مجھے قطعی اُمیّد نہ تھی کہ وہ عجز و انکساری میں بھی غیر معمولی صفات کے حامل ہوں گے۔ وہ جملہ انسانی محاسن کا مجموعہ تھے۔ شجاعت، سخاوت، سہامت، لطف و کرم ان کے اخلاق کا اہم حصّہ تھا۔ وہ مال دُنیا سے بالکل بے نیاز رہا کرتے تھے۔ ان کی زندگی کے آخری دن تھے۔ مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔ ظالم انھیں گرفتار کر چکے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انھیں عمر قید کی سزا دی جائے گی یا پھانسی پر لٹکا دیا جائیگا ان دنوں میں اپنے سکون کے لئے نہج البلاغہ کی تلاوت کیا کرتی تھی۔ ایک روز میں نے حضرت امیرؑ کو دل ہی دل میں مخاطب کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ آخر نواب کا کیا ہوگا۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے نہج البلاغہ کی تلاوت کرنی چاہی۔ اسوقت

میری نگاہوں کے سامنے وہ خطبہ تھا جس میں حضرت علیؑ نے مومن کی صفات بیان کی ہیں۔ جب میں اس خطبے کی تلاوت سے فارغ ہوئی تو اندازہ ہوا کہ مولا نے مرد مومن کی جو صفات بیان کی ہیں وہ تمام خوبیاں نواب صفوی میں پوری طرح موجود ہیں۔ میں یہ سوچ کر بے اختیار رونے لگی۔ پھر میں نے جناب امیرؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ بخوبی واقف ہیں کہ نواب صفوی حقیقی معنوں میں ایک مومن آدمی ہیں۔ اور ان اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں بُری طرح سے گرفتار ہیں۔ میں نواب صفوی سے بے پناہ محبت کیا کرتی تھی۔ یہ وہ عام محبت نہ تھی جو ہر بیوی کو اپنے شوہر سے ہوا کرتی ہے۔ بلکہ میں اللہ کے لئے ان سے محبت کرتی تھی۔ مجھے نواب کے اندر پائے جانے والے اخلاقی محاسن اور دیگر صفات سے گہرا عشق تھا۔

نواب صفوی نے اس زمانے میں پورے ملک کا دورہ کیا۔ اور ایران سے باہر کا بھی سفر کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ دیہات اور دور افتادہ علاقوں میں زندگی بسر کرنیوالے مسلمانوں سے بھی انکے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس مسافرت کے دوران میں ان کے ساتھ رہوں گی لیکن میرے والد نے ان کے اس فیصلے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا آپ ایک سیاسی آدمی ہیں اور آپ کے منصوبے بھی بلند ہیں۔ اگر سفر میں عورت ساتھ ہوا کرتی ہے تو مختلف النوع رکاوٹوں اور غیر معمولی پریشانیوں کا امکان رہا کرتا ہے۔ غرضکہ والد بزرگوار نے انھیں اس بات پر راضی کر لیا کہ سفر کے دوران میں ان کے ہمراہ نہ جاؤں۔

یہاں یہ واضح کر دینا لازمی ہے کہ تیس سال قبل معاشرہ کی حالت کچھ اور تھی اور موجودہ سماجی حالات سے اس کا کوئی میل نہ تھا۔ عورتیں ان امور میں قطعی

مداخلت نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ ان تمام باتوں کا فیصلہ گھر کے بزرگ لوگ کیا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ وہ تنہا سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان کی ناموجودگی میں ہمہ وقت میں انھیں کے بارے میں فکرمند رہا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ سفر سے واپس آ گئے۔ نواب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے وعدے کے پکے" تھے اور جو کہتے اُسے پُورا کرتے تھے۔ گھر سے نکلتے وقت اگر انھوں نے مجھ سے کہدیا کہ مثلاً اکیس ۲۱ روز بعد واپسی ہو گی تو پھر وہ وقت کی پابندی کے ساتھ گھر لوٹ آیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اور ہر کام مرتب پروگرام کے تحت انجام دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ انھیں یہ احساس ہو گیا کہ ان کی ناموجودگی میں میرے شب و روز بڑی دشواری سے گزرتے ہیں۔ چنانچہ مجھ سے بات کرتے ہوئے کہنے لگے۔ دیکھو بنّ السادات! تم حضرت فاطمہؑ زہرا کی بیٹی ہو۔ تمہارے جد بزرگوار حضرت امیرؑ اور حضرت رسُولؐ مقبُول تھے۔ ان لوگوں نے تبلیغِ اسلام کی ہر ذمّہ داری کو اپنے کندھوں پر سنبھال رکھا تھا۔ ہم لوگ ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والے ہیں لہذا ہمیں ہر ممکن یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ ان بزرگ ہستیوں کا پیغام تمام دُنیا والوں تک پہنچا دیں۔ اور اسلام کی خدمت میں ذرّہ برابر کوتاہی سے کام نہ لیں۔ تم اچھّی طرح سے واقف ہو کہ میں نے خدُا کیلئے یہ انقلاب برپا کیا ہے۔ میں چاہتا ہُوں کہ جو کام شروع کیا ہے اسے پایہ تکمیل کو پہنچا دوں۔ مذہب اسلام کی عظیم المرتبت خواتین کی طرح تمہیں بھی صبر و شکر

سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہر طرح کے مصائب اور پریشانیوں سے سمجھوتہ کرلینا چاہیئے۔ اور اس راہِ الٰہی میں تمہیں اپنے آپ کو بھول جانا چاہیئے۔" ان کی اس مختصر سی تقریر نے میرے اوپر ایسا جادو کردیا کہ میں نے ہر مصیبت کو نہایت حوصلے کے ساتھ جھیلنا شروع کردیا۔ ان کی اس تقریر کا اثر آج بھی باقی ہے۔ دشمنوں نے انھیں شہید کرڈالا لیکن میرے پایۂ ثبات میں معمولی سی لغزش بھی نہیں آئی۔ جن لوگوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے انھیں میری حالت پر حیرت ہوا کرتی تھی۔

میں نے نواب صفوی کے ساتھ آٹھ سال زندگی بسر کی۔ انھیں مالِ دُنیا کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے بھی ان سے کبھی مالِ دُنیا کی خواہش نہیں کی تھی۔ اس موقع پر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میرے والد صاحب اس سلسلے میں میری بڑی مدد کیا کرتے تھے۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے۔ نواب اسلامی سپاہی ہیں۔ وہ سربازِ خدا اور امام زمانہ کے وفادار خدمت گزاروں میں سے ایک ہیں۔ لہٰذا تمہیں جب کسی چیز کی ضرورت ہوا کرے مجھ سے کہہ دیا کرو۔ اور ان سے کسی قسم کا کوئی سوال مت کیا کرو تاکہ وہ نہایت سکون اور اطمینان کے اپنے اسلامی مشن کو جاری رکھ سکیں۔ ہمیشہ یہی کوشش کرو کہ نواب کے اسلامی مشن میں تمہاری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے پائے۔

خُدا کا شکر ہے کہ میں نے ان ہدایات پر پُوری طرح عمل کیا۔ میری قناعت پسندی اور ہر حال میں خوشنودیِ پروردگار کی طلب کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ میں انتہائی فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہوئے گرسنگی کے عالم میں موت

سے ہم آغوش ہونے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہنے لگی تھی۔ بس میری ایک ہی خواہش تھی کہ نواب زندہ رہ جائیں اور ایک بہادر سپاہی اسلام کیطرح خدا کی راہ میں کئے جانے والے جہاد میں پوری طرح سرگرم عمل رہیں۔

ظالم شاہی حکومت کے خلاف نواب صفوی
کی
عظیم الشان جدّوجہد

سوال :۔ خونخوار پہلوی حکومت کے خلاف ان کی عظیم جدوجہد پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بیان کریں کہ وہ کن مخصوص اخلاقی صفات ومحاسن کے حامل تھے؟

جواب :۔ ۱۳۲۷ھ ش میں امریکہ نُواز غلام شاہ پر گولی چلائی گئی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ گولی وغیرہ نہیں چلائی گئی تھی بلکہ اس پروپیگنڈہ کے ذریعہ کچھ اہم انقلابی شخصیتوں کو گرفتار کرنے کا منصوبہ تھا۔ اس زمانہ میں نواب صفوی قم میں قیام پزیر تھے۔ غرضکہ بعد میں یہ فیصلہ کیا گیا انھیں قم سے تہران بلایا جائے۔

جس رات شاہ کو گولی ماری گئی تھی ہم لوگ بہت خوش تھے۔ اور ہم لوگوں کی گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ موجودہ پروگرام میں تبدیلی ہونا یقینی ہے۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ گھر کے دروازے پر دستک دی گئی۔ میرے والد صاحب نے سوال کیا۔ کون ہے؟ جواب میں صرف اتنا ہی کہا گیا کہ دروازہ کھولو۔

جیسے ہی والد صاحب نے دروازہ کھولا، شاہی غلاموں کی ایک ٹولی زبردستی گھر کے اندر داخل ہوگئی۔ ان لوگوں نے گھر کی تلاشی لینی شروع کردی۔ یہاں تک کہ کسی کے نیچے جھانک کر بھی دیکھا۔ جب انھیں یقین ہوگیا کہ نواب صفوی گھر کے اندر نہیں ہیں تو وہ سب باہر نکل گئے۔ ہم لوگ یہی دُعا کر رہے تھے کہ اگر نواب صفوی گھر آنیوالے ہیں تو ابھی نہ آئیں۔ ادھر وہ قم سے تہران کے لئے روانہ ہوچکے تھے۔ انھیں ان واقعات کا علم ہی نہ تھا۔ اس زمانے میں ریڈیو بھی مخصوص طبقے کی خدمت میں تھا چنانچہ کسی چیز کی اطلاع کافی دیر میں ملا کرتی تھی۔ اس طرح قم سے تہران کے لئے روانہ ہوتے وقت پولیس نے ان کا تعاقب شروع کردیا۔ لیکن تہران وارد ہونے سے پہلے ہی دولاب نامی چوراہے پر پہنچنے کے بعد نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں نے راستہ بدل دیا۔ چنانچہ پیچھا کرنے والوں کو یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ لوگ کدھر چلے گئے۔

دولاب روڈ ہی پر نواب صفوی کے ایک دوست کا مکان تھا۔ چنانچہ اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ وہ اپنے دوست کے مکان میں داخل ہوگئے۔ وہاں انھیں یہ پتہ چلا کہ شاہ کو گولی ماری گئی ہے۔ میرے والد نے بھی انھیں کہلوا دیا کہ گھر کا سخت محاصرہ کیا جاچکا ہے لہذا اس طرف آنا خلاف مصلحت ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے نواب صفوی کی خفیہ زندگی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ وہ تقریباً بارہ دنوں تک روپوشی کے عالم میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اور میں ان سے ملاقات نہ کرسکی۔ اس کے بعد نواب نے اپنے ایک دوست کو میرے والد کے پاس بھیجا اور مجھے اس دوست کے ہمراہ بھیج دینے کی خواہش ظاہر

کی۔ میرے والد اس بات کے لئے قطعی راضی نہ ہوئے کہ میں اس آدمی کے ہمراہ نواب صفوی کے پاس چلی جاؤں۔ اس کے علاوہ والد محترم نے نواب کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ناصر فخرائی اور دیگر شاہی نوکروں کی بیویوں کی طرح تمہاری زوجہ کی تصویر بھی اخبار کے پہلے صفحے پر شائع کی جائے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمہاری گرفتاری کے لئے پہلے تمہاری بیوی کو گرفتار کر لیا جائے۔

جیسے ہی نواب صفوی نے میرے والد کا یہ پیغام سنا وہ فوراً ہی میرے گھر آگئے حالاں کہ فوجی حکومت برقرار تھی اور کوئی رات ایسی نہ گزرتی تھی جب میرے مکان کی تلاشی نہ لی جاتی رہی ہو۔ ان حالات کے باوجود نواب صفوی بغیر کسی خوف کے میرے گھر آگئے۔ میرے والد کو نہایت غصّہ کے عالم میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ نواب اقتشام! آخر کیا وجہ ہے کہ آپ نے ہمارے بچّوں کو ہمارے پاس نہیں بھیجا۔ وہ کون حرام زادہ ہے جو میری بیوی کی تصویر اخبار میں شائع کرنا چاہتا ہے۔ میں خاص طور پر اسی وجہ سے پیدل آیا ہوں کہ جس میں ہمت ہو وہ ہمیں گرفتار کرے۔

نواب صفوی کو دیکھ کر میرے والد کے ہوش و ہواس اُڑ گئے۔ انھیں معلوم تھا کہ فوجی حکومت نافذ ہو چکی ہے۔ اور کسی بھی وقت نواب صفوی کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے گھر پر چھاپہ مارا جا سکتا ہے۔ نواب صفوی کی غصّہ بھری آواز نے میرے والد کو بڑا صدمہ پہنچایا۔ مگر وہ کچھ بولے نہیں۔ چلتے وقت نواب صفوی نے زور دیکر کہا جتنی جلدی ممکن ہو میرے بچّوں کو میرے

پاس پہنچا دیجئے گا۔ چنانچہ اگلی رات نواب صفوی کے ایک دوست گاڑی لیئے ہوئے میرے گھر آ پہنچے انھوں نے والد صاحب سے کہا کہ میں نواب صفوی کی زوجہ کو بلانے آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی والد صاحب رنجیدہ ہو گئے۔ لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کسی بات سے نواب صفوی کو معمولی سی بھی تکلیف ہو۔ میں نے والد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا بہتر یہ ہو گا کہ استخارہ کر لیا جائے۔ اور جو مصلحت پروردگار ہو اسی پر عمل کیا جائے۔

والد صاحب نے استخارہ کیا۔ استخارہ بہتر آیا اور والد صاحب نے مجھے اجازت دیدی کہ میں نواب صفوی کے دوست کے ہمراہ چلی جاؤں۔ مختصر یہ کہ دور دراز کا سفر طے کرنے کے بعد میں نواب صفوی کے پاس پہنچ گئی اور تقریباً ۱۲ روز تک اسی مکان میں قیام کیا جہاں وہ خفیہ اور روپوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ والد محترم کو میرے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا لہٰذا وہ بیمار ہو گئے۔ جیسے ہی نواب کو والد کی بیماری کا علم ہوا انھوں نے مجھے میرے گھر پہنچا دیا۔

بہر حال ۱۵ بہمن ۱۳۲۷ھ ش سے نواب صفوی کی روپوش زندگی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا لیکن روپوشی کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اسلامی جد وجہد سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی بلکہ ظالم حکومت کے خلاف ان کے بیانات کا سلسلہ جاری تھا۔ ہژیر کی وزارت عظمیٰ کے دور میں فدائیان اسلام نے نواب صفوی کی قیادت میں شاندار مظاہرہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے سابق پارلیامنٹ کے سامنے زبردست مظاہرہ کیا تھا جس میں

نواب صفوی نے شاہی حکومت کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کرتے ہوئے ایک زوردار تقریر کی تھی۔ بالآخر انقلابی مسلمانوں پر قابو حاصل کرنے کے لئے شاہی حکومت کو فوج کا سہارا لینا پڑا تھا۔ ان مظاہروں کے دوران لی گئی ہزاروں تصویریں میرے پاس موجود تھیں لیکن ایک روز نواب صفوی کو تلاش کرنے کے لئے پولیس نے ہمارے گھر پر چھاپا مارا اور تلاشی کے دوران وہ لوگ تمام تصویریں اور دوسرے ضروری کاغذات اپنے ساتھ اٹھا لے گئے۔

طالقان کا سفر

۱۳۲۸ھ شمسی کا زمانہ تھا۔ ان دنوں آیت اللہ کاشانی آقای محمود طالقانی کے نام سے مشہور تھے۔ نواب صفوی آقای طالقانی کو بہت دوست رکھتے تھے اور آیت اللہ طالقانی بھی نواب صفوی سے بے پناہ محبت کرتے تھے چنانچہ ایک روز نواب صفوی کو آیت اللہ طالقانی کا یہ پیغام ملا کہ میں نے سنا ہے کہ آج کل حکومت آپکا تعاقب کر رہی ہے لہذا آپ کچھ دنوں کے لئے طالقان چلے آیئے۔ یہاں حکومت کے لئے آپ کا پیچھا کرنا کافی دشوار ہوگا۔ چنانچہ نواب صفوی نے یہ دعوت نامہ قبول کر لیا اور آقائے واحدی کے ساتھ طالقان کے لئے روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت انھوں نے کہا۔ تم پریشان مت ہونا۔ میں تھوڑے ہی دنوں میں تم لوگوں کو بھی طالقان بلا لوں گا۔

غرض کہ نواب صفوی ورکش نامی دیہات سے گزرے۔ ان کے آنے سے کچھ دنوں قبل اس گاؤں کے ایک بارہ سالہ بچے نے ایک عالم دین کو مسجد

میں دیکھا تھا اور ان سے التماس کیا تھا کہ چلئے میرے گھر پر مجلس پڑھ دیجئے۔ ان عالم دین نے بچّے سے معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ بیٹا میں مجلس نہیں پڑھتا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد ہمارے ایک دوسرے ساتھی اسطرف آئیں گے۔ جو صرف اس گاؤں کو نہیں بلکہ پورے علاقے کو مذہبی تبلیغ کا مرکز بنائیں گے۔ تم انھیں سے مجلس بھی پڑھوالینا۔ یہ کہنے کے بعد وہ عالم دین اس مسجد سے غائب ہو گئے تھے۔

مختصر یہ کہ وہ بچہ ہر روز آنے والے عالم دین کا شدّت کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ لڑکے نے یہ واقعہ اپنی والدہ سے بھی بیان کیا تھا۔ والدہ نے اس بچّے کو نصیحت کی کہ خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو اور اس واقعہ کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا۔ ابھی اس واقعے کو تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ نواب صفوی اس گاؤں میں وارد ہو گئے۔

نواب صفوی اس گاؤں میں فضل اللہ کربلائی نامی شخص کے گھر مہمان ہوئے۔ فضل اللہ کربلائی ایک نہایت دیندار آدمی تھے۔ نواب صفوی نے وہاں کے لوگوں سے اپنا نام علوی بتایا غرضکہ لوگ انھیں سیّد علوی کے نام سے پہچاننے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے کچھ لوگوں کو بھیج کر ہم سب کو وہیں بلالیا۔ میرے ساتھ نواب صفوی کی والدہ، اُن کے بھائی آقا سیّد ہادی میر لوحی، آقائے واحدی کی والدۂ گرامی اور آقائے واحدی کے بچّے وغیرہ بھی تھے۔ اور تقریباً ڈھائی ماہ تک ہم لوگ اسی گاؤں میں قیام پذیر رہے۔

ایک دن لوگوں نے نواب صفوی کو بتایا کہ اس گاؤں سے کچھ فاصلے

پر ایک گاؤں ہے جس کا نام وشتہ ہے۔ اور کافی عرصے سے یہ گاؤں ہر قسم کی برائیوں کا مرکز بن گیا ہے۔ تقریباً پچھلے ۲۵ برسوں سے لوگوں نے گاؤں کی مسجد کا دروازہ بھی نہیں کھولا۔ گاؤں میں ایک امام باڑہ بھی ہے مگر لوگوں نے امام باڑے کے چاروں طرف شراب خوری کا اڈہ بنا رکھا ہے گاؤں کی عورتیں بالکل بے پردہ گھومتی ہیں اور تالاب میں ڈبکی لگایا کرتی ہیں۔ نواب صفوی کے اندر طاقت باقی نہ رہ گئی کہ اور کچھ سُن سکیں۔ ان کا چہرہ غم و غصّہ کی وجہ سے بالکل سرخ ہو گیا تھا۔

انھوں نے فوراً ہی ایک پروگرام مرتب کر لیا۔ سب سے پہلے انھوں نے گاؤں کے تقریباً ۶۰ نوجوانوں کا انتخاب کیا۔ پھر ایک سفید کپڑا لئے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا کہ اس کپڑے سے ۶۰ بازو بند تیار کر دو جن پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہو" افسران انتظامات اسلامی"۔ پھر انھوں نے ہرے رنگ کا کپڑا منگوا کر ایک اسلامی پرچم بھی تیار کروایا۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ پروگرام کے مطابق یہ طے ہوا کہ سحر کھانے کے بعد اس گاؤں کی طرف چل دیا جائے اور اذان صبح کے وقت اس گاؤں میں پہنچ کر دیگر کام انجام دیئے جائیں۔ نواب صفوی کافی بے چین تھے۔ اور اکثر کہنے لگتے کہ گاؤں کے لوگ تو نہایت پاک صاف اور سادہ زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں اتنی خرابیاں کیوں پیدا ہو گئیں۔

بہرحال نواب صفوی نے ایک مخصوص شال سے اپنی کمر کس لی۔ پھر

جوتے باندھ کر یوں کھڑے ہوئے گویا میدان جنگ کی طرف روانگی ہے۔ آقائے واحدی اور دوسرے لوگ پہلے ہی سے صف بستہ تھے۔ نواب صفوی نے سب کے بازوں میں وہ پٹّی باندھ دی۔ اور پرچم اسلام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سب سے آگے جاکر کھڑے ہو گئے۔ پھر سب نے ایک آواز ہو کر نعرہ اللہ اکبر بلند کیا اور روانہ ہو گئے۔ وہ راستے بھر زوردار نعرے بلند کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ان لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی اللہ اکبر کی آواز اونچے اونچے پہاڑوں سے ٹکرا کر چاروں طرف پھیل جاتی تھی۔ غرض کہ فضا میں ہر طرف اللہ اکبر کی گونج اٹھ رہی تھی۔ ایک عجیب و غریب مگر نہایت دلکش منظر تھا جس کو دیکھ کر اپنے آپ گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ غرض کہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ یہ لوگ اس گاؤں میں داخل ہو گئے سب سے پہلے ان لوگوں نے اس مسجد کے دروازے کو کھولا جو گزشتہ ۲۵ برس سے بند تھی۔ پھر سب لوگوں نے ایک ساتھ اذان پکارنی شروع کی۔ جیسے ہی گاؤں والوں کے کان میں اذان کی آواز پہنچی سب گھبرا کر اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ اور مسجد کی طرف بڑھنے لگے کہ دیکھیں ماجرا کیا ہے۔ صبح صبح کس نے اذان پکارنی شروع کر دی۔

ان لوگوں نے مسجد کے قریب پہنچ کر کیا دیکھا کہ ایک نوجوان سیّد لوگوں سے مخاطب ہے۔ مختصر سی تقریر کے بعد ان لوگوں نے نماز جماعت ادا کی۔ پھر اس کے بعد نواب صفوی گاؤں والوں سے دوبارہ مخاطب ہوئے۔ اور کہنے لگے لوگو! تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے کہ پچھلے ۲۵ برس سے تم لوگوں نے اللہ کے گھر کا دروازہ تک نہیں کھولا۔ نماز اور دیگر عبادتوں کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ امام زمانہ کے ظہور کے وقت ان کے احباب میں سے ۱۲ لوگ طالقان سے ہوں گے۔ اور تمہاری یہ حالت ہے کہ اپنے پروردگار کی نماز بھی نہیں ادا کرتے۔ تمہیں اپنے کردار پہ خود شرم نہیں آتی۔ مختصر یہ کہ نواب صفوی نے ایک زوردار تقریر کی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو گئے ہوں۔ ہر شخص ندامت و شرمندگی کی وجہ سے اپنی گردن جھکائے کھڑا تھا۔ نواب صفوی سارا دن اس گاؤں میں گھوم گھوم کر تقریر کرتے رہے اور لوگوں کو اسلام کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دیتے رہے۔ غرض کہ لوگوں میں اسلامی احساس جاگ اٹھے۔ اور نواب صفوی مغرب کے وقت نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے گھر واپس لوٹ آئے۔

یہ طے کیا گیا کہ آئندہ جمعہ کو پھر اس گاؤں کا سفر کیا جائے۔ اس بار یہ لوگ اپنے ساتھ کچھ کوڑے بھی لے گئے۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو لوگ شراب خوری کے لئے امام باڑے کے قریب آئیں گے انھیں اسلامی شریعت کے مطابق کوڑے لگائے جائیں گے۔ چنانچہ جیسے ہی گاؤں والوں کو اس تبلیغی گروہ کے آمد کی اطلاع ملی سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف بہزاد نامی ایک شخص کو گرفتار کرکے نواب صفوی کے سامنے پیش کیا گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ بہزاد اس گاؤں میں ہونے والے فحش و فساد کا سرغنہ ہے نواب صفوی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا اے شخص گاؤں کے صاف ستھرے ماحول کو آلودہ کرتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ گاؤں کی ان بھولی بھالی عورتوں کو بدکاری کی طرف راغب کرتے ہوئے تجھے

اللہ کا خوف نہیں معلوم ہوتا۔

بہزاد نے گریہ زاری کرنا شروع کردیا۔ پھر اس نے بھرے مجمع میں توبہ کی اور اس بات کا عہد کرلیا کہ میں آئندہ اس قسم کے برے کاموں سے قطعی علحدہ رہوں گا۔ نواب صفوی نے اسے کوڑے نہیں لگائے اور سمجھا بجھا کر اسے آزاد کردیا۔ لوگوں نے بعد میں بتایا کہ اس کے بعد اس گاؤں میں شراب خوری کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ گاؤں میں مذہبی ماحول پیدا ہوگیا۔ گزشتہ ۲۵ برس سے ویران مسجد دوبارہ آباد ہوگئی۔ اور اسلامی روایات کو نئی زندگی مل گئی۔

ایک بار لوگوں نے نواب صفوی سے بیان کیا کہ اس گاؤں سے کچھ فاصلے پر ایک دوسرا گاؤں ہے جہاں بہائی لوگوں کی اکثریت ہے۔ یہ سب بڑے زمیندار ہیں اور گاؤں کے چھوٹے اور غریب مسلمانوں کو طرح طرح سے پریشان کیا کرتے ہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ مسلمان لوگ ان بہائی زمینداروں کے خوف سے سانس نہیں لے پاتے نواب صفوی نے فوراً ہی آقائے واحدی اور دوسرے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس گاؤں کے مسلمانوں کی مدد کے لئے روانہ ہوجاؤ۔ آقائے واحدی وہاں تشریف لے گئے۔ گاؤں کے مسلمانوں نے ان کا زوردار استقبال کیا۔ وہ تقریباً دس روز تک وہاں قیام پذیر رہے اور کئی جگہ تقریریں بھی کیں۔ اپنی ہر تقریر میں آقائے واحدی نے ان بہائی زمینداروں کو وارننگ دی کہ مسلمانوں پر ظلم و زیادتی سے باز آجائیں ورنہ ان کی ہر ظالمانہ روش کا دندان شکن جواب دیا جائے گا۔

غرضکہ یہ پروگرام بھی بہت کامیاب اور موثر ثابت ہوا۔ مسلمانوں کی اس قدر

حوصلہ افزائی ہوئی کہ یہاں زمینداروں میں اتنی ہمت ہی باقی نہ رہی کہ وہ مسلمانوں کو پریشان کریں۔ مختصر یہ کہ نواب صفوی نے قریب کے گاؤں کو ہر قسم کی بدعنوانیوں اور آلودگیوں سے پاک کرنے کی شاندار مہم چلائی جو پوری طرح کامیاب رہی۔ ان کا خیال تھا کہ گاؤں کے لوگوں کو گمراہی اور انحراف سے بہ آسانی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

انھوں نے ان دیہاتی علاقوں کی اصلاح کے لئے بھی موثر قدم اٹھائے۔ مثال کے طور پر جس گاؤں میں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں گھروں کے اندر پاخانے نہیں ہوتے تھے۔ ایک نہر تھی اور لوگ رفع حاجت کے لئے اس نہر کے کنارے چلے جاتے تھے اور اس نہر کے پانی سے اپنا جسم پاک کر لیتے تھے۔ جب نواب صفوی نے یہ منظر دیکھا تو انھیں بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ پہلے ہی دن جب آپ منبر پر تشریف لے گئے تو اسی موضوع پر گفتگو شروع کی۔ اور کہنے لگے اے گاؤں والو آخر تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔ تم لوگ یہ کیسے برداشت کرتے ہو کہ گاؤں کی عورتیں نامحرموں کے درمیان اس نہر کے کنارے رفع حاجت کے لئے آئیں۔ یہ سب کچھ تمہاری کوتاہی اور کاہلی کی وجہ سے ہے۔ بہر حال کل صبح سب سے پہلا کام یہ ہو گا کہ سب لوگ مل کر ہر دو تین گھر کے درمیان ایک ایک پاخانہ بناؤ گے۔ غرض کہ دوسرے دن سب گاؤں والے ایک جگہ جمع ہو گئے۔ خود نواب صفوی، ان کے بھائی اور آقائے واحدی نے مل کر نقشہ مرتب کیا کہ کتنے پاخانوں کی ضرورت ہے۔ اور کس کس جگہ اور کیسے ان کی تعمیر کی جائے۔ مختصر یہ کہ اس گاؤں میں تقریباً ۵۰ پاخانے بن گئے۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ نواب صفوی کی باتوں کا کس قدر احترام کرتے تھے

ان کی زبان میں غیر معمولی اثر تھا۔ خود اس گاؤں کے لوگوں نے بتایا کہ کئی برس پہلے حکومت کی طرف سے یہ پیغام آیا تھا کہ گاؤں میں پاخانے تعمیر کئے جائیں مگر کسی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی تھی لیکن نواب صفوی کی بات کا یہ اثر ہوا کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر تقریباً ۵۰ عدد پاخانے بن کر تیار ہو گئے۔

اس کے علاوہ نواب صفوی کو پسماندہ اور کمزور طبقے کے لوگوں کی مادی پریشانیوں کا بڑا خیال تھا۔ انھوں نے ضرورت مند لوگوں کی ایک فہرست تیار کی اور اس کے ساتھ ہی گاؤں کے مالدار لوگوں کی فہرست بھی مرتب فرمائی۔ اس کے بعد یہ پروگرام بنایا کہ ہر مالدار گھر کی سرپرستی میں ایک محتاج گھرانے کی پرورش کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے گاؤں کے دولت مند لوگوں کو حکم دیا کہ از قسم آٹا، دال، چاول، لکڑی اور تیل وغیرہ نواب صفوی کے گھر دے جایا کریں اور یہاں سے ضرورت مند لوگوں کو ان کو ضرورت کی چیزیں فراہم کر دی جایا کریں گی۔ غرضکہ مادی امداد کا یہ سلسلہ نہایت کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور کسی کو یہ خبر نہ ہوتی تھی کہ کس گھرانے کی پرورش کون کرتا ہے۔ اس طرح کمزور اور پسماندہ طبقے کی پرورش کا انھیں بڑا خیال تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نواب صفوی کا ہر پروگرام نہایت عمدہ ڈھنگ سے انجام پایا کرتا تھا۔ اس میں کسی قسم کی بدنظمی نہیں ہوتی تھی۔ غرضکہ وہ غیر معمولی خداداد اخلاقی خوبیوں کے مالک تھے۔ میری زبان میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کی تمام اخلاقی خوبیوں پر روشنی ڈال سکوں۔ ان کی زبان میں وہ اثر تھا کہ کوئی شخص ان کی بات کو آسانی سے نہیں ٹال پاتا تھا۔ بس مختصر یہ سمجھ لیجئے کہ ان خوبیوں کے مالک

لوگ اس دنیا میں کم دیکھے گئے ہیں۔

نواب صفوی کی دلی خواہش تھی کہ ملک میں اسلامی احکام رائج ہو جائیں

ہم لوگ خراسان روڈ پر ایک کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ نواب صفوی کی روپوشی کا زمانہ تھا۔ میری گود میں تین ماہ کا بچہ تھا۔ حکومت کے غلام نہایت شدت کے ساتھ نواب کا تعاقب کر رہے تھے۔ ایک روز اچانک ایسا لگا جیسے کوئی چیز ہمارے گھر کے دروازے سے بار بار ٹکرا رہی ہو۔ نواب صفوی نے سمجھا کہ شاہی فوج کے مسلح سپاہی انھیں گرفتار کرنے کے لئے آ گئے۔ غرضکہ انھوں نے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی کتے کا ایک بچہ ان کے پیروں کے قریب آکر گر پڑا۔ نواب صفوی فوراً ہی سمجھ گئے کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔

انھوں نے فوراً ہی ایک شخص کو بھیجا کہ دوکان سے دودھ لے آئے۔ پھر وہ خود ہی اس کتے کے سرہانے بیٹھ گئے اور بار بار اس کے حلق میں دودھ ڈالنا شروع کیا۔ وہ بار بار کتے سے مخاطب ہو کر پوچھتے جاتے تھے۔ اب تیری کیسی طبیعت ہے۔ کچھ آرام ملا کہ نہیں۔ نواب صفوی کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے اپنے لڑکے کو مسموم کر دیا گیا ہو۔ غرضکہ تادیر وہ اس کتے کے بچے کی تیمارداری میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو گیا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کسقدر

رحم دل تھے کہ ایک جانور کی پریشانی بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس کے برعکس ظالموں اور خدا کے دین کو نقصان پہنچانے والوں کے حق میں ان کا رویّہ بہت سخت تھا۔ وہ نہایت جوانمردی اور استقامت کے ساتھ ظالموں کا بھرپور مقابلہ کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے

نواب صفوی کے بھائی کا بیان ہے کہ ہر شب جمعہ ہم لوگ زیارت حضرت عبدالعظیم کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم لوگ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد صحن میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت نہایت دردناک آواز میں گریہ کرتی ہوئی چلی آرہی ہے۔ نواب صفوی نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا ہادی! ذرا جاکر معلوم تو کرو کہ یہ عورت اس طرح کیوں رو رہی ہے؟ میں آگے بڑھا لیکن شرم کی وجہ سے اس عورت سے کچھ دریافت نہ کر سکا اور واپس چلا آیا۔ اس کے بعد آقا نے ڈانٹتے ہوئے کہا ہادی! میں نے تم سے کہا تھا کہ جاکر معلوم کرو کہ اس خواہر مسلمان کے گریہ وزاری کا کیا سبب ہے۔ میں دوبارہ گیا اور اس عورت سے دریافت کیا کہ بہن آپ اسطرح کیوں گریہ کر رہی ہیں۔ اس عورت نے جواب دیا کہ میرا شوہر قرض دار تھا۔ مالی پریشانیوں کی وجہ سے وہ قرض کی رقم واپس نہ کر سکا۔ جس کی وجہ سے آج اسے گرفتار کر کے قیدخانہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں اس وجہ سے رو رہی ہوں کہ اگر میرے پاس اتنا روپیہ ہوتا تو میں قرض ادا کر کے اپنے شوہر کو آزاد کرا لیتی۔ میں اپنی مجبوری اور مفلوک الحالی پر گریہ کناں ہوں۔ میں نے واپس آکر سارا ماجرا آقا کی خدمت میں بیان کیا۔ انھوں نے کہا جاؤ اس عورت کو تسلّی دو اور اس

مہاجن کا پتہ لے آؤ جس کا روپیہ باقی تھا اور جس نے روپیہ کی وصولی کی خاطر اس کے شوہر کو گرفتار کروایا ہے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

وہاں سے واپس آتے ہی نواب صفوی نے ایک شخص کو اس مہاجن کے گھر بھیجا کہ جاؤ اسے اپنے ساتھ لے آؤ۔ وہ اس علاقے کا بہت بڑا تاجر تھا تھوڑی دیر بعد وہ ساہوکار آقا کے سامنے کھڑا تھا نواب صفوی اس پر بے تحاشہ برس پڑے کہنے لگے کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ تیرے دل میں پروردگار کا کوئی خوف نہیں کہ اپنے ہی ایک مسلمان بھائی کو کچھ روپیوں کی خاطر گرفتار کروا کر قید خانہ میں ڈلوادیا ہے۔ تو خود اندازہ کر کہ اگر اس کی مالی حالت ٹھیک ہوتی تو وہ تیرے روپئے کیوں نہ ادا کر دیتا۔ نواب صفوی کی باتیں سن کر وہ تاجر کانپنے لگا اور بولا۔ آقا! میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ معافی چاہتا ہوں۔ میں کل سویرے سب سے پہلے اس کی آزادی کی فکر کروں گا۔ غرضکہ اس تاجر نے دوسرے دن ایسا ہی کیا۔

سیاسی جدوجہد اور سرگرمیوں کے دوران بھی نواب صفوی کی یہی حالت تھی۔ ان کا یہی ارمان تھا کہ ایران پوری طرح سے ایک اسلامی ملک ہو جائے۔ اور اگر اس وقت انھیں موقع مل گیا ہوتا تو ایک مرتب پروگرام کے تحت وہ ملک کے گوشے گوشے میں اسلامی احکام کے رواج دیئے جانے کا مکمل بندوبست ضرور کرتے۔

تقریباً پانچ برس تک نواب صفوی کا شدت کے ساتھ تعاقب کیا گیا۔ مصدق کا زمانہ تھا۔ واضح رہے کہ شروع میں نواب صفوی مصدق

اور آیت اللہ کاشانی کے درمیان گہری دوستی تھی۔ جس وقت آیت اللہ کاشانی کو جلاوطن کرکے لبنان بھیج دیا گیا تھا، نواب صفوی نے فدائیانِ اسلام کی مدد سے ان کی وطن واپسی کے لئے بڑے اہم کارنامے انجام دیئے تھے۔ خصوصاً عام انتخابات کے موقع پر فدائیانِ اسلام ساری رات بیلٹ بکس کی حفاظت کرتے تھے۔ اس زمانے میں فدائیانِ اسلام کو مصائب کی سخت اور دشوار گزار منزلوں سے بھی گزرنا پڑا۔ بہر حال آیت اللہ کاشانی کو ممبر پارلیامنٹ منتخب کرلیا گیا۔ اور وہ نہایت شان وشوکت کے ساتھ ایران واپس آگئے۔

اس کے بعد یہ طے کیا گیا کہ چوں کہ مصدّق تہران کے پہلے ممبر پارلیامنٹ ہیں لہذا انھیں وزیراعظم چن لیا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی گئی اپنی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں وہ ملک کے ہر گوشے میں اسلامی احکام رائج کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک رات آیۃُ اللہ کاشانی اور مصدّق نے نواب سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات ایک دوست کے گھر میں ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے مصدّق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مصدق! اگر تم وزیرِ اعظم ہو جاؤ گے تو اس ملک کے لئے کون سی خدمات انجام دو گے۔ اس نے جواب دیا کہ جو آپ لوگ چاہیں گے میں وہی کروں گا۔ میں آپ لوگوں کے ہر اشارے پر پوری طرح عمل کروں گا۔

ان لوگوں نے جواب دیا تھا کہ مصدّق ہمیں کسی بڑے عہدے یا دُنیاوی منصب ومرتبہ کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد تم ملک میں اسلامی احکام رائج کردو۔ مصدّق نے

وعدہ کیا کہ اقتدار حاصل ہوتے ہی وہ اسلامی احکام کو رائج کرنے کے لیے پوری طرح لگ جائے گا۔

جس وقت حسین علاء کو وزیر اعظم بنایا گیا، نواب صفوی نے نبرد ملّت نامی اخبار میں ایک بیان جاری کرتے ہوئے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ از خود وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے علٰحدہ ہو جائے ورنہ اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو رزم آرا کا ہوا ہے۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے کے اندر ہی حسین علاء نے وزیر اعظم کے عہدے سے علٰحدگی اختیار کرلی۔

تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں شامل کرانے کے لیے فدائیانِ اسلام نے نواب صفوی کی قیادت میں گرانقدر قربانیاں پیش کی ہیں۔ دراصل یہ منصوبہ نواب صفوی ہی نے تیار کیا تھا لیکن بعد میں لوگوں نے اس کا سہرا اپنے سر باندھ لیا اور آج بھی ان کی یہی کوشش ہے کہ حقائق آشکار نہ ہونے پائیں۔

وہ لوگ تو اس بات کے لیے بھی رضامند نہیں ہیں کہ نواب صفوی کی گیارہ سالہ خدمات سے ملّتِ اسلامیہ ایران آگاہ ہوسکے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک رات نواب صفوی کے کانوں میں کسی کارخانے میں رات گئے مشین کے چلنے کی آواز سُنائی پڑی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ اتنی رات گئے یہ کس چیز کی آواز ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ قریب کے کارخانے میں چل رہی مشین کی آواز ہے آپ نے پھر پوچھا یہ کارخانہ کس چیز کا ہے۔ جواب ملا کہ شراب سازی کا۔ یہ آقا کی خفیہ زندگی کا دور تھا۔ پھر بھی وہ کافی دیر تک آنگن میں چہل قدمی کرتے رہے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بار بار ان کی زبان پر یہی کلمات

تھے کہ ایک اسلامی ملک میں، ایک ایسی سرزمین میں جہاں شیعیان جعفری زندگی بسر کرتے ہیں، شراب سازی کے کارخانے کی کیا ضرورت ہے؟

طالقان سے واپسی کے بعد میں اپنے والد کے گھر میں تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ پروردگار نعمت اولاد عطا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میری آرزو پوری کر دی اور میری گود بچے سے آباد ہو گئی۔ ایک روز آقائے واحدی کی والدۂ گرامی میرے ہاں تشریف لائیں اور نواب صفوی سے کہنے لگیں کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں نیر السادات کو کچھ دنوں کے لئے اپنے ہمراہ قم لیتی جاؤں۔ ان کا دل بہل جائے گا۔ ویسے میں بھی قم جانے کی خواہشمند تھی۔ غرضکہ انھوں نے اجازت دیدی اور میں ان لوگوں کے ہمراہ قم چلی گئی۔

نواب صفوی کی خفیہ زندگی

جس زمانے میں میں قم میں تھی، سید حسین امامی کے ہاتھوں ہژیر کو گولی مارنے کا واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ نواب صفوی کے تعاقب میں شدت یقینی تھی۔ ملک کے گوشے گوشے میں کافی بڑے پیمانے پر ان کی تلاش شروع کر دی گئی۔ شہر قم کا اعلیٰ پولیس افسر میرے گھر والوں کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔ میرا بھائی مجھے دیکھنے کے لئے قم آیا ہوا تھا۔ ایک روز اس پولیس افسر کی نگاہ میرے بھائی پر پڑی پوچھا تم یہاں کیسے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی بہن سے ملنے آیا ہوں۔ اس نے دریافت

کہ یہاں تمہاری بہن کس کے یہاں ہیں۔ میرے بھائی نے کہا کہ آقائے واحدی کے گھر پر۔ مختصر یہ کہ پولیس والوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں واحدی صاحب کے مکان میں قیام پذیر ہوں۔ چنانچہ ایک رات پولیس والوں نے واحدی صاحب کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ ان کا مقصد تھا کہ آقائے واحدی کو گرفتار کر لیں اور ان سے نواب صفوی کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ اس رات آقائے واحدی گھر پر موجود تھے۔ پہلے دو پولیس افسران نے دروازہ پر آکر آواز دی۔ آقائے واحدی نے دروازہ کھول کر انھیں اندر بلا لیا۔ پھر عبّا اور عمامہ اتار کر اسی کمرے میں رکھ دیا اور بہانے سے وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آگئے اور اپنی والدہ سے کہا کہ یہ لوگ ہمیں گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے اپنا عمامہ اور اپنی عبا اس کمرے میں چھوڑ دی ہے تاکہ وہ یہ سمجھتے رہیں کہ میں واپس آرہا ہوں۔ لیکن اب میں دوسرے دروازے سے بھاگ رہا ہوں۔ یہ کہکر وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے۔ مکان کے صدر دروازے پر مسلح پولیس موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد پولیس چیف کچھ دوسرے افسروں کے ساتھ گھر میں داخل ہو گیا۔ اور گھر کے کونے کونے میں آقائے واحدی کی تلاش شروع کر دی۔ مگر وہ نہ ملے تو اس نے دوسرے پولیس افسروں کو گالی دینی شروع کی کہ تم لوگوں نے ایسی کون سی رشوت لے لی کہ آقائے واحدی کو فرار ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔

گھر کی تلاشی کے دوران ایک بار اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارا آقائے واحدی سے کیا رشتہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں ان کے چچا کی لڑکی

ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ تم ان کے چچا کی بیٹی ہو یا نواب کی بیوی؟ میرے ہوش و حواس اُڑ گئے اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دوں۔ غیرارادی طور پر میرے منہ سے نکل گیا صفوی۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا ہاں! ہاں! نواب صفوی کی بیوی ہو؟ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے پھر سوال کیا اچھا جلدی اور سچ سچ بتاؤ کہ نواب صفوی آج کل کہاں ہیں؟ میں نے کہا۔ کافی دنوں سے مجھے ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اس نے کہا اچھا میں تمہیں گرفتار کئے لیتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو سکے۔ کہ تم سچ کہتی ہو یا جھوٹ۔ اس کے بعد اس نے مجھے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ میں نے ہمت کر کے دوبارہ زبان کھولی اور کہا دیکھیے وہ اپنے اعمال کے لئے خود ذمہ دار ہیں۔ ان کے کسی بھی پروگرام کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور تمہیں اس بات کا قطعی حق نہیں ہے کہ مجھ سے اس قسم کی بدکلامی کرو۔ اس نے کہا میں تم کو یہی دیکھنے کے لئے تو گرفتار کروں گا کہ تمہارا نواب صفوی سے کوئی رابطہ ہے یا نہیں۔

غرض کہ میں تین مہینے تک آقائے واحدی کے گھر میں مقیم رہی۔ ان کا گھر مسلح فوج کے محاصرہ میں تھا۔ گھر کے اندر آنے جانے والوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی۔ اگر ہم لوگ حرم معصومہؑ قم کی زیارت کے لئے بھی جاتے تو پولیس ہمارا تعاقب کرتی تھی۔ ہم لوگ یہ جانتے تھے کہ پولیس ہمارے پیچھے ہے لیکن کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ ہم لوگوں کو ان کی موجودگی کا علم ہے۔

گھر سے باہر نکلنے سے پہلے میں سوراخ سے دیکھ لیا کرتی تھی کہ وہ لوگ

گھر کے بالکل سامنے ہی کھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے اشارہ کی زبان میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ ایک بار میں آقائے واحدی کی مخفی گاہ گئی اور ان سے اپنی پیشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آخر میں کیا کروں۔ انھوں نے کہا دیکھئے اگر خدا نے چاہا تو کوئی انتظام ہو جائے گا۔ چند روز بعد دو آدمیوں کے ہمراہ انھوں نے مجھے تہران بھجوا دیا۔ رات ہی رات میں تہران پہونچ گئی۔ تہران تک ایک پولیس افسر نے ہم لوگوں کا تعاقب کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ سیروس چوراہے پر پہونچنے کے بعد وہ قریب کے پولیس اسٹیشن پر اطلاع دینے چلا گیا جیسے ہی وہ اپنی گاڑی سے اُترا، ہم لوگ بھی گاڑی سے اتر کر پیدل چلنے لگے اور آگے جا کر ایک دوسری ٹیکسی لیکر اس طرف چل پڑے جہاں نواب صفوی خفیہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ غرضکہ وہ پولیس افسر ہم لوگوں کو دوبارہ نہ تلاش کر سکا۔

ادھر حکومت کی جانب سے نواب صفوی کی تلاش میں ہر روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کئی بار ان کا تعاقب بھی کیا گیا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ پولیس انھیں گرفتار نہ کر پاتی تھی۔ ایک روز نواب صفوی میدانِ انقلاب کی طرف گئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر اپنے دوست کے گھر پر آرام کرنے کے بعد وہاں سے نکل کر حمّام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ حمّام کی طرف جاتے وقت انھیں احساس ہوا کہ خفیہ پولیس کا کوئی افسران کے پیچھے ہے۔ نواب صفوی اس آدمی کا عکس العمل دیکھنے کے لئے ایک جگہ ٹھہر گئے تو کیا دیکھا کہ وہ شخص اندر گیا اور حمّام میں کام کرنے والے مزدور کے کان میں کچھ

کھکر واپس چلا آیا۔ اس کے بعد نواب صفوی حمّام میں داخل ہوئے اور نہایت پھُرتی کے ساتھ نہادھو کر باہر نکلے۔ اس کے بعد نماز ادا کی۔ اور قنوت میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دستِ دُعا بلند کرتے ہوئے پالنے والے! تو مجھے ان دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں سے محفوظ رکھ۔ مجھے ان کے ہاتھوں میں گرفتار نہ کر بلکہ یہ میرے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں۔

نواب صفوی نے خود اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ نماز ختم کرنے کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں میرے جُوتے غائب ہیں۔ حمام کا مالک بھی اس جگہ دکھائی نہیں پڑا۔ میں نہایت غصّے کے عالم میں جب حمّام سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسلح فوج حمّام کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ جگہ جگہ مسلح سپاہیوں کی ٹولی کھڑی ہوئی ہے۔ میں انتہائی لاپرواہی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ مسلح فوج کی ہر ٹولی نے غالباً یہ خیال کیا کہ آگے والی ٹولی گرفتار کرلے گی نتیجہ یہ ہوا کہ میں ان کے چنگل سے بالکل صاف بچ گیا اور کسی نے مجھے گرفتار نہ کیا۔ اور میں اپنے ایک دوست کے گھر چلا گیا۔

شہید نواب صفوی کی گرفتاری

اس طرح ان کی خفیہ زندگی کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ ایک دن میدانِ امام حُسینؑ کے قریب ایک فوجی افسر انھیں پہچان لیتا ہے۔ لیکن اپنے شبہ کو یقین میں بدلنے کے لئے اس نے آواز دی آقائے نواب صفوی! جیسے ہی

انھوں نے گردن گھماکر اس کی طرف دیکھا اس نے سمجھ لیا کہ اس کا اندازہ درست نکلا اس طرح وہ لوگ نواب صفوی کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ اس وقت مصدّق کی حکومت تھی۔ ان لوگوں نے آقا کو قید خانہ میں ڈال دیا دوسری صبح تنظیم فدائیانِ اسلام کا ایک گروہ قید خانے کے دروازے پر جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے قید خانہ کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کے دوران زوردار تقریریں کیں اور کہا کہ ہمارے اور ہمارے قائد کے خون میں کوئی فرق نہیں۔ جب تک ہم لوگوں کے جسم میں خون کی ایک بوند باقی ہے ہم مذہبِ اسلام کا دفاع کرتے رہیں گے۔ ہمارے قائد کو جلد از جلد آزاد کرا دیا جائے۔ کچھ لوگ آقا سے ملاقات کے لئے بھی تشریف لائے تھے۔ میں بھی آقا سے ملنے کے لئے آئی تھی لیکن پولیس والوں نے ہم لوگوں کو ملنے کی اجازت فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ میری گود میں دس ماہ کا بچّہ تھا اور ان دنوں میں بہت پریشان سی تھی۔ چنانچہ میں اسی جگہ کھڑی ہو گئی اور زوردار تقریر کرنے لگی۔ میں نے اپنی تقریر میں شاہی افسروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے ظالمو! تم لوگوں نے اسلام کے شیروں کو زنجیر سے جکڑ رکھا ہے۔ اور تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح تم اپنے کئے گئے خوفناک مظالم کی پردہ پوشی میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم نے رضا خان کے انجام سے غیرت نہیں حاصل کی کہ بے پناہ دولت وطاقت کا مالک ہوتے ہوئے اسے جزیرہ موریس میں پناہ لینی پڑی۔ اور کن پریشانیوں کے عالم میں اس نے آخری سانس لی تھی۔ اس واقعہ سے تم لوگوں نے درس عبرت نہیں حاصل کیا تو یہ تمہاری بدبختی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اے پہلوی زادے!

تو تو محلوں میں عیش کی زندگی گزار رہا ہے اور پیغمبرِ اسلام کے فرزند کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانہ میں ڈلوا رکھا ہے۔ اے ظالمو! تم لوگ کتنے سنگِ دل ہو کہ ہم لوگوں کو اپنے وارث سے ملنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔" غرضکہ ایک پولیس افسر میرے قریب آیا اور کہنے لگا۔ اے خاتون! چُپ ہو جایئے۔ آپ کس سے ملنا چاہتی ہوں بتایئے۔ میں آپکی ملاقات کا بندوبست کراتا ہوں۔ غالباً وہ پولیس افسر مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ میں نے جواب دیا نہیں قطعی ممکن نہیں ہے۔ جب تک ان تمام خواہران اسلام کو اپنے عزیزوں سے ملاقات کی اجازت نہیں ملے گی میں بھی اپنے وارث سے نہیں ملوں گی۔ مختصر یہ کہ اچانک پولیس والوں نے اپنی بندوقیں ہماری طرف تان لیں۔ ان کی اس حرکت کا میرے اُوپر ذرّہ برابر اثر نہیں ہوا۔ میں نے کہا خدا کی قسم اگر ضرورت پڑی تو میں آئندہ دس روز تک اسی طرح تم لوگوں کے سامنے کھڑی رہوں گی۔ اور اگر موقع مل گیا تو پتھّر سے تمہارا سر توڑ ڈالوں گی مگر اس کا خِ ظلم سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹوں گی۔ تم لوگوں نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ ہم عورتیں ہیں تو کیا ہوا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ آج اپنے عزیزوں سے ملاقات کیئے بغیر ہملوگ اس جگہ سے نہیں جائیں گے۔ مختصر یہ کہ وہ لوگ مجبور ہو گئے اور ہمیں ملاقات کی اجازت مل گئی۔ صحن قید خانہ میں ہم لوگوں کو پھر روک دیا گیا۔ میں نے پھر تقریر کرنی شروع کر دی۔ آخر کار ان لوگوں نے ہم سب کو قید خانے کے اندر داخل کر لیا۔ جب میں وہاں پہنچی تو کیا دیکھا کہ نواب صفوی اور ان کے تمام ساتھی بھوک ہڑتال کیئے ہوئے ہیں۔

آقائے واحدی نے ہم لوگوں کو قید خانے کے اندر دیکھنے کے بعد پولیس والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے ظالم شاہ کے روٹی کے ٹکڑوں پر زندگی بسر کرتے والو! تم کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہماری عورتیں تم مردوں سے زیادہ بہادر ہیں۔

اس طرح وہ دن ختم ہو گیا۔ چند روز کے بعد میں دوبارہ ملاقات کے لئے قید خانہ کے دروازہ پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ نواب صفوی کو زندانِ قصر منتقل کر دیا گیا ہے۔ میں وہاں پہنچ گئی۔ ملاقات کا پروانہ لیکر قید خانے کے اندر داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ نواب صفوی تقریر کر رہے ہیں۔ غرضکہ قید خانے میں بھی نواب صفوی کی تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ ظالموں کی ہر ممکن کوشش تھی کہ نورِ خدا کو خاموش کر دیا جائے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لوگ جوق در جوق آتے اور نواب صفوی کی تقریر سُن کر واپس چلے جاتے تھے۔ غرضکہ صبح سے لیکر شام تک تقریروں کا سلسلہ باقاعدہ جاری رہا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی تو ملاقات کا یہ سلسلہ رات تک جاری رہا کرتا تھا۔ حاضرین قید خانے کے اندر نواب صفوی کی سلامتی کا زوردار نعرہ بلند کیا کرتے تھے۔ جس کی آواز سے پورے قید خانے کی دیواریں گونج اٹھا کرتی تھیں۔ ایک آدمی کھڑا ہو کر یوں کہتا کہ مشرق کی عظیم اسلامی تحریک کے بانی نواب صفوی کی سلامتی کے لئے صلواۃ۔ اور سب لوگ نہایت جوش و خروش سے نعرۂ صلواۃ بلند کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں اخباروں میں ایک تصویر چھپی تھی جس میں یہ دکھایا گیا تھا

کہ مصدّق شاہ کی بیوی ثریا کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہا ہے۔ چنانچہ فدائیانِ اسلام یوں نعرہ بلند کیا کرتے تھے کہ ان لوگوں کی نابودی کے لئے ایک نعرہ صلواۃ جو فاحشہ عورتوں کے ہاتھ کو بوسہ دیا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ قید خانے میں اس قسم کے مظاہروں کا سلسلہ نہایت زور و شور کے ساتھ جاری رہا کرتا تھا۔

نواب صفوی قید خانے سے بھی اکثر بیانات جاری کیا کرتے تھے۔ ان بیانات میں وہ حکومت سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ مظالم اور ناانصافی پر پابندی لگادے۔ فرزندانِ اسلام و ایران بیدار ہیں اور تم لوگوں کے اعمال و کردار پر ان کی کڑی نگاہ ہے۔ پیمانہ صبر لبریز ہوچکا ہے بس چھلکنے کی دیر ہے۔ ان بیانات کی وجہ سے نواب پر کی جانے والی سختیوں میں غیر معمولی اضافہ کردیا جایا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک قیدی کو دہلیز میں کھڑا کرکے مسلح سپاہیوں نے اس پر کوڑے برسانے شروع کردیئے۔ نواب صفوی سے یہ منظر نہ دیکھا گیا۔ وہ نہایت رحم دل آدمی تھے۔ یہ وحشیانہ منظر انھیں مضطرب کردینے کے لئے بہت کافی تھا۔ چنانچہ اضطراب کے عالم میں انھوں نے اپنے کمرے کے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کردیا۔ ان کی اس حرکت سے سارے پولیس والے ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس غریب کو مزید کوڑوں سے نجات حاصل ہوگئی۔ نواب صفوی کی شخصیت میں وہ رعب و دبدبہ تھا کہ بڑے سے بڑے افسران کے سامنے تھرتھرانے لگتے تھے۔ بندۂ عبید اور عبید پہلوی جیسے خونخوار افسروں کو میں نے نواب کے سامنے

گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھا ہے۔

قیدخانہ کے افسران نواب صفوی سے بے حد متاثر تھے۔ حکومت کے غلاموں کا کہنا تھا کہ نواب صفوی کی صحبت سے قیدخانہ میں کام کرنے والے لوگ بھی فدائیانِ اسلام کی فہرست میں شامل ہو جائیں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ مصدّق کے دورِ حکومت میں نواب صفوی بیس ۲۰ مہینے تک قیدخانہ کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ نواب صفوی کی ملاقات کے لئے گئے ہوئے لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جس زمانے میں نواب صفوی کو زندانِ قصر میں رکھا گیا تھا وہ مصدّق کا دورِ حکومت تھا۔ اس زمانے میں حکومت کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح بھی تحریک فدائیانِ اسلام کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ قیدخانہ میں یہ سازش کی گئی کہ نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں کو قیدخانہ کے اس حصّے میں رکھا جائے جہاں تودہ پارٹی کے لوگ مقیّد تھے۔ ان کو علم تھا کہ نواب صفوی اور ان کے ساتھی مذہبی لوگ ہیں اور تودہ پارٹی کے لوگ مذہب کے دشمن۔ اس زمانے میں زندانِ قصر میں تودہ پارٹی کے قیدیوں کی اکثریت تھی۔ اس بات کا قوی احتمال تھا کہ فدائیانِ اسلام اور تودہ پارٹی کے طرفداروں میں جھگڑا ہو جائے جس کے نتیجے میں کچھ فدائیانِ اسلام ہلاک ہو جائیں۔ قیدخانہ میں بھی نواب صفوی نماز جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ پہلے نواب صفوی اذان کہتے تھے۔ اذان ختم ہوتے ہی تودہ پارٹی والے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے تھے۔ نماز میں خلل ڈالنے کے لئے وہ لوگ زور زور سے تالیاں بجانا شروع کر دیتے تھے۔ غرضکہ دو ایک مرتبہ تودہ پارٹی والوں سے جھڑپ

بھی ہوئی لیکن جلد ہی معاملات طے ہو گئے۔

نواب صفوی کی آزادی کیلئے فدائیانِ اسلام کا شاندار مظاہرہ اور گرفتاری

ایک رات ایک عالمِ دین نے، جن کی امامت میں نواب صفوی نماز جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ فدائیانِ اسلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ آج کل نواب صفوی قید خانے میں تنہا ہیں۔ حکومت کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح نواب صفوی کا کام تمام کر دے۔ ان حالات میں مناسب تو یہ ہوگا کہ تم لوگ قید خانہ کے دروازے پر مظاہرہ کرتے ہوئے خود بھی گرفتار ہو جاؤ۔ میں چراغ گل کئے دیتا ہوں۔ جو لوگ اس پروگرام میں شرکت نہ کرنا چاہتے ہوں وہ اندھیرے میں اپنے گھر چلے جائیں تاکہ انھیں لوگوں سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اس کے بعد انھوں نے چراغ بجھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد چراغ روشن کرنے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی بھی آدمی باہر نہیں گیا بلکہ ان لوگوں نے تاریکی میں اتنا گریہ کیا کہ ان کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ دوبارہ روشنی کئے جانے کے بعد ان لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ میرا خون نواب صفوی کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے۔

اگر وہ لوگ ہمارے رہبر کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو انھیں پہلے ہم لوگوں کو قتل کرنا ہوگا صبح ملاقات کا دن تھا۔ ملاقات کے دن دو تین ہزار آدمی قیدخانے کے دروازے پر جمع ہو جایا کرتے تھے اور سو سو آدمیوں کی ٹولی ملاقات کے لئے اندرونِ قیدخانہ جایا کرتی تھی۔ فدائیانِ اسلام نے یہ فیصلہ کیا کہ آخری گروہ کی صورت میں قیدخانہ میں داخل ہوں گے اور واپس آنے کے بجائے اپنے آپکو گرفتار کرا دیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بالکل ویسا ہی کیا۔

قیدخانہ میں علی احزار نامی ایک شخص کافی شجاع تھا۔ قیدخانہ کچھ اس طرح سے بنا ہوا تھا کہ دہلیز اور جیلخانہ کے درمیان ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس میں ایک افسر بیٹھا رہا کرتا تھا۔ وہ ملاقات کے بعد قیدخانہ کا دروازہ بند کر دیا کرتا تھا۔ یعنی اگر کوئی ملاقات کے لئے آتا تو پہلے دروازہ سے داخل ہونے پر اسے ایک باغ میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ پھر پہلا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ پھر باغ کا دروازہ کھول کر لوگوں کو ایک دہلیز سے گزرتے ہوئے قیدخانہ میں داخل کیا جاتا تھا۔

جس دن فدائیانِ اسلام نے نواب صفوی کی آزادی کے لئے گرفتاری دینے کا منصوبہ بنایا اس روز علی احزار نامی شخص نے قیدخانہ کے اس ملازم کو دبوچ لیا جو پہلا دروازہ بند کرنے کے بعد باغ کا دروازہ کھولنا چاہتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس بہادر شخص نے چوکیدار سے کنجی چھین لی۔ پھر اسے دوسری طرف نکال کر دروازہ بند کر لیا۔ چنانچہ صورتِ حال کچھ اس طرح پیدا ہوگئی کہ قیدخانہ کا باہر سے کوئی رابطہ باقی نہ رہ گیا۔ یہ زندانِ قصر کے اس حصّے

کی بات ہے جس میں نواب صفوی کو مقید کیا گیا تھا۔

دوسری صبح ملک کے تمام اخباروں نے موٹے حروف سے یہ سُرخی لگائی کہ پچھلی رات فدائیانِ اسلام نے زندانِ قصر پر قبضہ کر لیا۔ یہ مصدّق کی حکومت کا دور تھا۔ لہٰذا فدائیانِ اسلام کی یہ حرکت اس کو اور اس کی حکومت کے دوسرے لوگوں کو بالکل پسند نہ آئی۔ یہ خبر ملک کے باہر بھی شائع کی گئی۔ چنانچہ خارجی پریس کا عکس العمل نہایت دلچسپ تھا۔

غرض کہ حکومت کو یہ احساس ہوا کہ فدائیانِ اسلام کی اس حرکت سے حکومت ایران کی بڑی بدنامی اور رسوائی ہوئی ہے۔ لہٰذا حکومت کی جانب سے حکم دیا گیا کہ نواب اور ان کے ساتھیوں کو قید خانہ کے اندر ہی قتل کر ڈالو چاہے ہزار دو ہزار سپاہی کیوں نہ مارے جائیں۔

اس زمانہ میں قید خانہ کی نگہبانی کرنے والا پولیس چیف بظاہر مذہبی آدمی تھا۔ وہ کمرے کے دروازے کے قریب آکر کہنے لگا کہ اگر کنجی ہمیں واپس کر دو تو خدا کی قسم میں تم سب کو آزاد کر دوں گا۔ فدائیانِ اسلام کو مذہبی عقائد پر بڑا بھروسہ تھا چنانچہ اس پولیس افسر کی قسم پر اعتبار کرتے ہوئے ان لوگوں نے کنجی واپس کر دی اور پولیس والوں کے عکس العمل کا انتظار کرنے لگے۔ فدائیانِ اسلام نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ اگر نواب صفوی کو بھی ہم لوگوں کے ساتھ آزاد کر دیں تو ٹھیک ہے نہیں تو ہم لوگ قید خانہ سے باہر نہ جائیں گے۔ فدائیانِ اسلام کی اس دلیرانہ حرکت سے لوگ بہت خوش تھے۔ اس سے قبل یہ ہوا کرتا تھا کہ لوگ سیاسی رہنماؤں کے گھروں پر، مسجد کے صحن میں اور کسی اور عمومی جگہ پر

مظاہرہ ودھرنہ کی بات سنی تھی۔ ایران کے لوگوں کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا کہ فدائیانِ اسلام نے قید خانہ کے اندر ہی دھرنا رکھدیا۔ اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ علی احزار بہت بہادر شخص تھے۔ چنانچہ انھوں نے سامنے پڑی ہوئی دو ملبی کرسیوں کو زمین پر پٹک پٹک کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا ڈالے تاکہ بوقت ضرورت دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فدائیانِ اسلام اور پولیس والوں کے درمیان مارپیٹ شروع ہوگئی۔ علی احزار نے نواب صفوی کو ایک کوٹھری میں لیجا کر بند کر دیا تاکہ ان کی زندگی محفوظ رہ جائے۔

علی احزار اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ جب میں نے نواب صفوی کو حفاظت کی رو سے کوٹھری کے اندر بند کرنا چاہا تو انھوں نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا "مجھے چھوڑ دو تو میں آج ظالم شاہ کے ان زرخرید غلاموں کو مزا چکھا دوں" وہ پولیس والوں پر حملہ کرتے ہوئے یہی کہتے تھے کہ اے حرام خورو! تم نے ہمارے ساتھیوں کو مارا ہے۔ میں تم سب کو جان سے مار ڈالوں گا۔ علی احزار نے نواب صفوی کو روکتے ہوئے کہا نہیں آقا آپ کی جان ہم لوگوں کے لئے بڑی قیمتی ہے۔ ہم سب آپ پر قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ آپ زندہ رہ جائیں چاہے ہم سب لوگ قتل کر ڈالے جائیں۔

مختصر یہ کہ مسلح پولیس علی احزار اور دیگر فدائیانِ اسلام کو گرفتار کر لیتی ہے۔ اور ان لوگوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے ایک جھٹکے سے وہ سب ٹوٹ کر علحدہ ہو جاتی ہیں۔ بہرحال وہ لوگ کسی طرح علی احزار

پر قابو حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد نواب صفوی کو ایک کوٹھری میں تنہا بند کر دیا گیا۔ اور انھیں بے پناہ اذیت بھی دی گئی۔ دوسرے دن اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ کل رات زندان قصر میں پولیس اور فدائیانِ اسلام کے درمیان ہونے والی جھڑپ میں کافی لوگ زخمی ہو گئے جن میں سے کچھ لوگوں کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ معاملہ کچھ اور تھا۔ اسپتال داخل کرنے کے بجائے زخمیوں کو اندھیری کوٹھری میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس ناانصافی کے خلاف نواب صفوی نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اور یہ ہڑتال سات دنوں تک چلتی رہی۔

میں اس زمانے میں اپنے والد کے یہاں تھی۔ ایک دن اخبار میں یہ خبر دیکھ کر میں بے حد پریشان ہو گئی کہ قید خانہ میں فدائیانِ اسلام بھوک ہڑتال کئے ہوئے ہیں اور نواب صفوی کی حالت بہت نازک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھوک کی وجہ سے نواب صفوی دم توڑنے والے ہیں۔ یہ خبر پڑھنے کے بعد میں نے اپنا سر دیوار سے ٹکرا دیا اور والد صاحب کو مخاطب کر کے بولی کہ اگر نواب صفوی کو کچھ ہو گیا تو اس گھر سے میرا جنازہ ہی نکلے گا۔ میری بات سُن کر والد صاحب بے چین ہو گئے۔ وہ گھر سے باہر نکلے اور آیت اللہ کاشانی کے گھر پہنچے پھر اس کے بعد مصدّق سے ملاقات کی اور کہا دیکھو اگر اس سیّد کو کچھ ہو گیا تو یہ تمہارے لئے بہت مہنگا سودا ہو گا۔ اور مصدّق کی حکومت کو بھی زبردست نقصان پہنچے گا۔ آیت اللہ کاشانی نے مصدّق سے گفتگو کی۔ پھر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر میرے والد سے کہا کہ آپ قید خانے چلے جائیں۔

میرے والد صاحب زندان قصر پہنچ گئے اور آیۃ اللہ کاشانی کا پرچہ ذمہ دار افسر کے حوالے کر دیا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اگر نواب صفوی بھوک ہڑتال ختم کر دیں تو ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو آزاد کر دیا جائے۔

درحقیقت نواب صفوی کو اپنی آزادی کی پرواہ نہ تھی مگر وہ فدائیان اسلام کی آزادی کیلئے فکر مند تھے۔ چنانچہ انھوں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی اور سب لوگوں کو آزادی حاصل ہو گئی۔

شہید نواب صفوی کے اخلاقی محاسن

قم سے واپسی کے بعد ہم لوگ حسین جعفری کے مکان میں رہنے لگے۔ وہ ایک دیندار آدمی تھے اسی وجہ سے نواب صفوی نے اپنی خفیہ زندگی کے لئے ان کے گھر کا انتخاب کیا تھا۔

ہم لوگ چھ مہینے تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اسی گھر میں میری پہلی

لڑکی کی ولادت بھی ہوئی ۔ ولادت کے دن نواب صفوی ۲۴ گھنٹہ گھر ہی پر موجود رہے ۔ پھر نکلے تو تین ماہ کے بعد گھر واپس آئے اور تھوڑی دیر حالات و خیریت معلوم کرنے کے بعد پھر چلے گئے ۔ اس کے بعد وہ ہر پندرہ بیس روز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے گھر آجایا کرتے اور وہاں سے حکومت کے خلاف بیان جاری کرنے کے بعد پھر واپس چلے جاتے تھے ۔

اخلاقی اعتبار سے نواب صفوی نہایت خوش مزاج تھے ۔ اکثر ایسا موقع آیا جب وہ اپنے دوستوں سے ملکی معاملات اور حکومت کی طرف سے ہونے والے مظالم کے سلسلے میں گفتگو کیا کرتے تھے اور میں گھریلو کام کاج کے سلسلے میں انھیں بلالیتی تو وہ مجھ سے نہایت نرمی سے بات چیت کرنے لگتے حالانکہ دوستوں کے درمیان موضوعِ سخن کے اعتبار سے ان کا لہجہ کافی تیز ہوتا تھا ۔ میں ان کے طرزِ گفتار میں اس تبدیلی پر حیران رہ جایا کرتی تھی ۔ اکثر تو میں نے ان سے پوچھ بھی لیا کہ کیا ابھی آپ چند سیکنڈ پہلے نہایت غصّہ بھری آواز میں گفتگو نہیں کر رہے تھے ؟ آخر آپ اپنے اخلاق میں اس طرح کی تبدیلی کیسے کر لیتے ہیں ؟ میرے سوال کا وہ ایک ہی جواب دیا کرتے کہ اگر میں کسی وجہ سے کسی شخص پر ناراض ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سارا غصّہ تمہارے اُوپر یا گھر کے دوسرے لوگوں پر اتار دوں ۔ ہر شخص کو اپنے بیوی بچّوں سے نہایت نرمی اور محبّت کا برتاؤ رکھنا ہی بہتر ہوا کرتا ہے ۔

بہرحال میں نے اپنی پوری زندگی میں نواب صفوی کو ناراض ہوتے نہیں دیکھا اور ان کی ذات سے مجھے ذرّہ برابر کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی ۔

ان کے ذاتی اخلاق کا یہ پہلو انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ نماز ادا کرتے وقت رکوع اور سجدہ کی حالت میں وہ زار و قطار رویا کرتے تھے اور گریہ وزاری سے ان کی عجیب حالت ہو جاتی تھی جسے دیکھ کر ہر آدمی حیران رہ جایا کرتا تھا۔ وہ اکثر روزہ سے رہا کرتے تھے لیکن حتی الامکان یہی کوشش کرتے کہ لوگ سمجھ نہ سکیں کہ وہ روزہ سے ہیں۔ اکثر وہ مجھ سے بھی چھپایا کرتے تھے کہ آج ان کا روزہ ہے۔ وہ بغیر سحری کھائے ہوئے روزہ رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ہر ملنے والے کے ساتھ ان کا اخلاق محبّت آمیز ہوا کرتا تھا۔ وہ بہت رحم دل آدمی تھے اور کسی مریض کی بے چینی ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔

ایک بار میری آنکھوں میں شدید درد ہونے لگا اور میں شدّتِ درد سے بالکل بے تاب ہو گئی میری یہ حالت دیکھ کر نواب صفوی رونے لگے اور پروردگار سے دُعا کرنے لگے کہ وہ مجھے شفا دیدے اور میری آنکھ کا درد ان کو لگ جائے۔ وہ پابندی کے ساتھ نماز شب ادا کیا کرتے تھے۔ قرآن ایسی اچھّی آواز سے پڑھا کرتے تھے کہ آدمی ان کی خوش لحنی پر فریفتہ ہو کر رہ جاتا۔ وہ زیارتِ روزِ عاشورا اس طرح پڑھا کرتے تھے گویا خود میدانِ جنگ میں موجود ہیں اور حضرت سیّد الشہدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی زبان پر اکثر یہ کلمات جاری ہو جایا کرتے تھے اے کاش میدانِ کربلا میں میں بھی اپنے جدِ بزرگوار کے ساتھ ہوتا تو مجھے بھی شرف شہادت حاصل ہو جاتا۔ دورانِ نماز قنوت کی حالت میں وہ ہمیشہ یہی طلب کرتے کہ اے پروردگار مجھے شہادت کے شرف سے محروم نہ رکھنا۔ اے کاش مجھے بھی شہادت کی گرانقدر نعمت حاصل ہو جائے۔

نماز کے ختم ہونے پر میں ان سے کہنے لگی کہ آپ پروردگار سے ہمہ وقت شہادت طلب کیا کرتے ہیں مگر کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ آپ کے بعد میں ان بچوں کی پرورش کیسے کروں گی ؟ وہ صرف اتنا ہی جواب دیا کرتے کہ آپ کو میری نماز سے کیا مطلب۔ نماز کا تعلق صرف پروردگار سے ہوا کرتا ہے۔ نواب صفوی کے ساتھ میری زندگی عام لوگوں کی ازدواجی زندگی سے بالکل مختلف تھی۔ میری خواہش تھی کہ چاہے وہ کبھی گھر نہ آئیں۔ مگر انھیں قتل نہ کیا جائے۔

دولاب کے علاقے میں ہم لوگوں کے پاس چار چھوٹے چھوٹے کمروں کا ایک مکان تھا۔ تعمیری اعتبار سے وہ مکان بالکل دیہاتی انداز سے بنا ہوا تھا۔ آگے کے دو کمرے مردوں سے متعلّق تھے اور باقی دو کمرے زنان خانہ میں شامل تھے۔ اس گھر میں ہم لوگوں کے علاوہ آقائے طہاسبی، آقائے واحدی، ان کی والدہ اور ان کے داماد سب ایک ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ میرے کمرے میں اچھّی قسم کا ایک قالین لگا ہوا تھا جو میرے والد نے جہیز میں دیا تھا اور آقائے واحدی کے کمرے میں صرف ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ ایک روز نواب صفوی کمرے میں داخل ہوئے اور بولے کہ میرے کمرے میں قالین بچھا ہوا ہے۔ کیا ہی اچھّا ہوتا کہ ہم اس قالین کو بیچ کر دری بچھا لیتے! میں بالکل تیار ہوگئی۔ چنانچہ قالین بیچکر دری خرید لی اور اسے کمرے میں بچھا دیا۔

جس زمانے میں نواب صفوی قید خانہ میں تھے، ہم لوگوں کی عجیب و غریب حالت تھی۔ ملاقات کے دن ہزاروں دیگر لوگوں کے ہمراہ میں بھی انھیں دیکھ لیا کرتی تھی۔ گھر میں ہم سب ملاکر ۲۰ آدمی تھے۔ ہم لوگوں کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہوا

کرتی تھی۔ لیکن گھر میں ہمہ وقت ایمانی ماحول کی وجہ سے ہم لوگ ہر طرح کے مصائب آسانی کے ساتھ جھیل لیا کرتے تھے۔ ہم لوگ بھوکے ہوتے تھے مگر ایمانی غذا کی فراوانی کی وجہ سے بھوک کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا۔

اکثر آدھی رات گئے نواب صفوی جنگل کی طرف نکل جایا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حمد و مناجات کرتے ہوئے انھیں صبح ہو جایا کرتی تھی جب وہ واپس لوٹتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا امام زمانہ کی خدمت میں گئے ہوئے تھے۔

کبھی کبھی رات کے سناٹے میں وہ گھر کی چھت پر چلے جاتے اور وہاں نہایت آہستہ آہستہ مناجات کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر میں رونے لگتی تھی۔ اور اکثر میری زبان پر بے ساختہ یہ کلمات آجایا کرتے کہ اے پروردگار تو ہم لوگوں کی زندگی سے بخوبی واقف ہے۔ تجھکو بخوبی علم ہے کہ نواب صفوی ایک سچے مسلمان اور تیرے عاشق ہیں۔ مگر دشمنوں کا کہنا ہے کہ وہ انگریز ہیں میں پوچھتی ہوں کون سا انگریز پابندی کے ساتھ نماز شب ادا کیا کرتا ہے۔ کس انگریز کو روزہ سے اتنی دلچسپی ہے۔ اے پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ یہ فدائیانِ اسلام نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ لوگ سادی اور معمولی غذا کھاتے ہیں لیکن بہادر ہیں اور نا انصافی نہیں برداشت کر پاتے۔

ایک مرتبہ فدائیانِ اسلام کے درمیان کچھ اندرونی اختلافات پیدا ہو گئے۔ لوگوں کو یہ حسد تھا کہ نواب صفوی آقائے واحدی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ گروہ کے لوگوں نے ایک بیان جاری کیا جس میں نواب صفوی پر تہمت لگاتے ہوئے انھیں امام زمانہ کا دشمن قرار دیا گیا تھا۔ حالانکہ نواب صفوی بیان جاری

کرنے والے شخص کی امامت میں نماز جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ نواب صفوی کو دنیاوی جاہ و حشم سے کوئی لگاؤ نہ تھا اور وہ دنیاوی مرتبوں سے مرعوب بھی نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مجمع عام میں انھوں نے محمدّ رضا شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا اے پہلوی گھرانے کے کُتّے! لوگوں پر غیر انسانی مظالم سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔ ایک نہ ایک دن ایسا وقت ضرور آئے گا جب ہم لوگ تجھ سے ان انسانیت سوز مظالم کا بدلہ لے کر رہیں گے۔ چنانچہ اس تہمت اندازی کی وجہ سے نواب صفوی کو بڑی تکلیف ہوئی اور وہ بڑی دیر تک گریہ وزاری میں مشغول رہے۔ وہ صبح سے شام تک گریہ کرتے رہے اور ہم لوگوں سے بھی بالکل ہی مخاطب نہ ہوئے اسی اثنا میں وہ شخص جس نے نواب صفوی پر تہمت لگائی تھی وہ بہت بیمار ہوگیا۔ لوگوں نے نواب صفوی کو اطلاع دی کہ جس شخص نے آپ کے خلاف جھوٹا الزام لگایا تھا وہ آج کل بستر مرگ پر موت کا انتظار کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی نواب صفوی نے اپنے دوستوں سے کہا چلو بھائی ہم لوگ فلاں کی عیادت کر آئیں۔ آقائے واحدی نے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ یہ وہی آدمی ہے جس نے آپ کے خلاف تہمت لگائی تھی۔ ہم لوگ اس شخص کی عیادت کے لئے کیسے چلیں۔ نواب صفوی نے کہا کہ گزری ہوئی باتوں کو بھول جاؤ۔ مختصر یہ کہ نواب صفوی اپنے تمام دوستوں کے ہمراہ اس شخص کی عیادت کے لئے گئے۔ انھوں نے مریض کے سرہانے بیٹھ کر ۷۰ مرتبہ سورۂ حمد کی تلاوت کی۔ مریض کی حالت کچھ بہتر ہوگئی مگر شرم کی وجہ سے اس نے اپنی آنکھ نہیں کھولی۔ میں نے یہ واقعہ صرف اس وجہ سے بیان کر دیا تاکہ نواب صفوی کی اس اخلاقی خوبی کا اندازہ ہو سکے کہ وہ ذاتی عداوت کو خاص

اہمیت نہ دیتے تھے۔

اسلامی ممالک کا سفر

۱۳۳۲ھ ش تمام اسلامی ممالک کے لوگوں کو فلسطین بلایا گیا تھا۔ چنانچہ اس اسلامی اجتماع میں ایران کی نمائیدگی کے لئے نواب صفوی کو دعوت نامہ ارسال کیا گیا۔ ان دنوں زاہدی ملک کا وزیر اعظم تھا۔ چنانچہ حکومت کی جانب سے بھی منظوری دیدی گئی کہ نواب صفوی اس اجتماع میں شرکت کر سکتے ہیں۔ اس منظوری کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نواب صفوی کو پسند کرتے تھے بلکہ حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ دنوں کے لئے نواب صفوی ایران سے باہر رہیں گے اور ان لوگوں کو سازشانہ پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی مہلت مل جائے گی۔

دیگر اسلامی ملکوں سے کافی لوگ فلسطین آئے ہوئے تھے۔ عالمِ اسلام کی تقریباً ۶۰ نامور شخصیتوں کی موجودگی میں اس اجتماع کا آغاز کیا گیا۔ لوگوں نے یکے بعد دیگرے تقریر کرنی شروع کر دی۔ اس طرح نواب صفوی کی باری آئی۔ واضح رہے کہ نواب صفوی کو عربی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس فصاحت کے ساتھ تقریر فرمائی کہ لوگ یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ وہ ایرانی ہیں بلکہ ہر ایک کا یہ خیال تھا کہ وہ کسی عرب ملک کی نمائندگی میں بول رہے ہیں۔ وہ عجیب و غریب ذہانت کے حامل تھے۔ کبھی کبھی میں ان سے کہنے لگتی تھی کہ آپ اتنے ذہین آدمی ہیں کہ پانی پر چونٹیوں کے پیروں کے نشان بتا سکتے ہیں۔

نواب صفوی بہت بڑے قیافہ شناس تھے۔ وہ کسی آدمی کو ایک بار دیکھنے کے بعد بتا دیا کرتے تھے کہ وہ آدمی اچھا ہے یا خراب۔ فلسطین میں نواب صفوی کا بڑا استقبال کیا گیا۔ لوگ ان کی باتوں کو بڑے غور سے سنتے تھے۔ ان کی تقریر کے دوران فلسطینی باشندے زوردار نعرہ لگاتے تھے کہ زندہ باد اے قہرمانِ ایران زندہ باد فلسطین ہی میں نواب صفوی شاہ حسین سے ملاقات کرتے ہیں۔ ملاقات کے وقت انھوں نے کہا چونکہ تو سیّد ہے اور خاندانِ نبوت سے تعلّق رکھتا ہے اسی وجہ سے میں تجھے اپنا چچا زاد بھائی کہکر پکارتا ہوں اور شاہ و ملک کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔

اس زمانے میں ایک رسالہ چھپا کرتا تھا جس کا نام روشن فکر تھا۔ اس رسالے میں نواب صفوی اور شاہ حسین کی تصویر چھپی تھی۔ اس تصویر کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا شاہ حسین اپنے حاکم کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اس کا

سر جھکا ہوا ہے اور نواب صفوی سر بلند کئے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا حاکم وقت اپنے ماتحت افسر کو ضروری احکامات صادر کر رہا ہے۔ اس ملاقات کے دوران نواب صفوی شاہ حسین سے یوں کلام کرتے ہیں۔ اے شاہ حسین! اپنے ملک کی نجات اور فلاح بہبود کے لئے کوشش کر۔ وہ راہ اختیار کر جو تیرے جدّ بزرگوار حضرت علیؑ کا راستہ ہے اور اس راہ پر ہرگز قدم نہ رکھنا جس کے لئے دشمنانِ اسلام کا اصرار ہے۔ اسلام کے دشمنوں سے کبھی سمجھوتہ نہ کرنا۔ میں نے اب تک کسی بادشاہ سے ملاقات نہیں کی اور تجھ سے بھی ملاقات کرنے سے پہلے میں نے استخارہ کیا اور جب استخارہ بہتر آگیا تو میں نے خیال کیا کہ ہو سکتا ہے ہماری ملاقات سے مسلمانوں کا کچھ فائدہ ہو جائے۔ تیرا فریضہ ہے کہ فلسطینیوں اور عربوں کی نجات کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ نواب صفوی کی تھوڑی دیر کی اس مختصر ملاقات اور نصیحت کا شاہ حسین کے اوپر وہ زبردست اثر پڑا کہ اس نے انگریزی کارخانے کی بنی ہوئی گاڑی پر سفر کرنا چھوڑ دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنی گاڑی کو فروخت کر دیا۔

اس کے بعد تنظیم اخوان المسلمین نے نواب صفوی کو مصر بلا بھیجا۔ وہ نہایت خوشی کے ساتھ مصر تشریف لے گئے وہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ مصر میں تقریباً ۱۲ ہزار مسلمانوں نے نواب صفوی کی امامت میں نماز جماعت ادا کی۔ نواب صفوی اپنے ہمراہ بے شمار تصویریں بھی لے آئے تھے۔ انھوں نے مصر یونیورسٹی کے طالب علموں کو بھی خطاب کیا۔ ان کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ طالب علموں نے ایک عظیم الشان اسلامی مظاہرہ کا اہتمام کر ڈالا۔ مصر کے نوجوان نواب صفوی کی اس

بات سے بالکل متفق تھے کہ نہر سوئز کو قومی ملکیت قرار دیدیا جانا بہتر ہے لڑکوں نے حکومت کے خلاف زبردست ہڑتال کردی۔ ہڑتالیوں پر لاٹھی چارج بھی کیا گیا۔ اس سلسلے میں نواب صفوی نے نجیب پاشا سے بھی ملاقات کی اور اس کو بھی یہی مشورہ دیا کہ نہر سوئز کو قومی ملکیت میں شامل کرلینا لازمی ہے۔

اکثر نواب صفوی آذربائیجان یا شیراز کے پولیس افسروں کو بلاکر کافی دیر تک انھیں نصیحت کیا کرتے تھے کہ دیکھو اسی راہ پر قدم رکھو جس کی طرف پروردگار نے رہنمائی کی ہے۔ اسلام کی خاطر مصائب برداشت کرنا اور پریشانیوں سے ہمکنار ہونا کارِ ثواب ہے اور ظالم حکومت کی تائید انسان کو گنہگار بنا دیتی ہے۔
نواب صفوی دیندار لوگوں سے نہایت عجز و انکساری سے پیش آتے تھے۔

نواب صفوی ہر آدمی کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ایک بندۂ ناچیز کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتے تھے۔ وہ کم قیمت والے کپڑوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ بچّوں کے ساتھ ان کا روّیہ بہت الفت آمیز تھا۔ وہ بچّوں سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ ہر بچّے کو دیکھ کر ان کی زبان پر بے ساختہ یہ کلمات آجایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ یہ بچّہ امام زمانہ کا سپاہی ہوگا۔

۱۳۳۴ھ ش شروع ہوچکا تھا۔ صفر کے مہینے میں نواب صفوی نے گھر پر عشرۂ مجالس سیّد الشہداء کا اہتمام کیا۔ ان دنوں ہم لوگ خراسان روڈ پر رہا کرتے تھے۔ مرحوم مدرس کے صاحبزادے سے نواب صفوی نے مجلس پڑھنے کا وعدہ لے لیا۔ اس طرح عشرۂ مجالس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مرحوم

مدرس کے لڑکے کی عمر اس وقت تقریباً ۶۰ برس تھی اور ان کی شکل اپنے والد بزرگوار سے بالکل ملتی جلتی تھی۔ وہ ایک دن مجلس ختم ہونے کے بعد نواب صفوی کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔ آپ نے دیکھا کہ اس ظالم پہلوی نے کس طرح ہمارے والد کو ختم کرادیا۔ آپ اس ظالم سے ہوشیار رہیئے گا۔ اس کا کوئی بھروسہ نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کو بھی صاف کرادے۔ اس مجلس میں سرکاری افسران اور خفیہ پولیس کے لوگ بھی آیا کرتے تھے اور ہر بات پر کڑی نظر رکھا کرتے تھے۔ مجلس شروع ہوتے ہی نواب صفوی نہایت بلند آواز میں گریہ کرنے لگتے تھے۔ ان کا گریہ عجیب و غریب تھا جس کو سُن کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی عاشقِ خدا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ کر جانے کے لئے بے تاب ہے۔ وہ مصائب سیّدالشہدا سُن کر اس طرح تڑپنے لگتے تھے گویا واقعہ کربلا کا خونیں منظر اُن کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کربلا کے شہیدوں کا واقعہ ابھی ابھی رونما ہوا ہے اور نواب صفوی میدانِ کربلا میں موجود ہیں اور گویا وہ اپنی زندگی کو راہِ خدا میں قربان کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے ہمراہ دشمنانِ اسلام سے جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرلیں۔

مکان کی اُوپری منزل پر یہ مجلسیں ہوتی تھیں۔ مگر نواب صفوی کی دردناک آواز مکان کے نیچے والے حصے میں ہم لوگوں کو اس طرح سنائی دیتی تھی جیسے وہ ہمارے سامنے ہی گریہ کناں ہیں۔ ان کی آواز سن کر میں بھی زار و قطار رونے لگتی تھی اور اپنے آپ سے کہنے لگتی تھی کہ نواب صفوی عجیب و غریب انداز میں

گریہ کرتے ہیں۔ اے خدا! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہونے والا ہے۔

علاء پر قاتلانہ حملہ

بغداد فوجی معاہدہ یعنی CENTO پر دستخط ہونے والے تھے۔ اسی اثنا میں وزیر اعظم علاء فاتحہ خوانی کی ایک مجلس میں شرکت کی غرض سے مسجد سلطانی آیا ہوا تھا۔ مظفرؔ علی ذوالقدر علاء کو ختم کرنے کا منصوبہ پہلے ہی بنا چکے تھے چنانچہ وہ آگے بڑھے اور علاء پر گولی چلادی۔ دوسری گولی پستول کی نال میں پھنس گئی۔ پہلی گولی اس کے سر کے پچھلے حصےؔ میں لگی تھی مگر اس چوٹ سے اس کی جان کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ گولی لگتے ہی وہ گر پڑا۔ وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ وہاں موجود ہی تھا۔ چنانچہ مظفر علی ذوالقدر کو موقع پر ہی گرفتار کرلیا گیا اور علاء کو شاہی اسپتال میں بھرتی کردیا گیا۔ اس قاتلانہ حملے کی خبر سے سنسنی پھیل گئی اور حالات بہت خراب ہوگئے۔ اگر علاء قتل ہوگیا ہوتا تو سارا پروگرام کامیاب ہوجاتا۔ نواب صفوی اور ان کے دوستوں کو اسلامی مقاصد میں صد در صد کامیابی مل جاتی۔ اور دشمنانِ اسلام کے بہت سارے منصوبے خاک میں مل کر رہ جاتے۔ نواب صفوی اور اُنکے ساتھیوں کا یہ پروگرام تھا کہ جو لوگ ایران میں برطانیہ اور امریکہ جیسی عظیم طاقتوں کے مفاد کی نگہبانی کر رہے ہیں انھیں ختم کردیا جائے۔ شاہی وزیر اعظم اور دیگر حکاّم ان بڑی طاقتوں کے غلام ہوا کرتے تھے لہذا انھیں ایرانی عوام پر مظالم ڈھانے سے روکا جائے۔ وہ اعلیٰ شاہی حاکموں کو مخاطب کرتے ہوئے اکثر یہ بیان جاری کرتے رہے تھے کہ ہم فرزندانِ ایران بیدار ہیں اور تمہاری

جملہ حکومتی امور پہ ہماری کڑی نظر ہے۔ مختصر یہ کہ علاء کو اٹھا کر اسپتال لے جایا گیا ملک میں فوجی حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔ اور پورے تہران میں خفیہ پولیس کا جال بچھا دیا گیا کہ جہاں کہیں نواب صفوی ملیں انھیں فوراً ہی گرفتار کر لیا جائے۔

چنانچہ ہم لوگ اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر مظفر ذوالقدر کو گرفتار کیا ہی جا چکا تھا۔ شاہی جلّادوں نے انھیں کیسی کیسی اذیتیں دیں اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ ان ظالموں کے ہاتھ انھیں کیا کیا مصائب برداشت کرنے پڑے۔ اس موقع پر لی گئی تصویروں سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھیں کن مصائب و آلام سے گزرنا پڑا تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ نواب صفوی کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ وہ کن لوگوں کے گھر آیا جایا کرتے ہیں۔ غرضکہ مظفر ذوالقدر نے جو بھی جگہ بتائی وہاں ان ظالموں نے چھاپہ مارا اور نواب صفوی نہ ملے تو اس گھر کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس سلسلہ میں فدائیانِ اسلام کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

شہید نواب صفوی کی گرفتاری

غرضکہ ایک روز ایک سرکاری ملازم ذوالقدر نے نواب صفوی کو اپنے گھر دعوت دی۔ شاہی خفیہ پولیس کو اس بات کی اطلاع مل گئی کہ آج نواب صفوی فلاں شخص کے گھر آنے والے ہیں۔ یہ شخص پلاننگ کمیشن آفس میں کام کرتا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ عبدالحمید ذوالقدر نے پہلی بار نواب صفوی کو اپنے گھر مہمان بلایا تھا۔ نواب صفوی وہاں جاتے ہیں۔ سیّد محمّد واحدی اور فدائیانِ

اسلام کے دوسرے اور لوگ وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ دوسری طرف فوجی بٹالین بھی آجاتی ہے۔ فوج نے پہلے اس گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر فوجی افسران گھر کے اندر گھس آئے اور نواب صفوی کو گرفتار کرلیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت نواب صفوی کے پاس ریوالور موجود تھا۔ اگر وہ چاہتے تو فوجی افسروں پر گولیاں برسا دیتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ وہ لوگ نواب صفوی کو گرفتار کرکے لے گئے۔

نواب صفوی کو لیجاکر فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ فوجی عدالت کے منصف اور تیمور بختیاری نے پہلے ان کے گرد کھڑے ہو کر تصویر کھینچوائی۔ ان ظالموں کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ ظالم اس بات پر خوش تھے کہ مجاہدِ اسلام کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اب انھیں غیر انسانی مظالم کا شکار بنانے والے ہیں۔

نواب صفوی کی گرفتاری کے بعد دوسرے دن اخباروں میں یہ خبر شائع کی گئی کہ بہت ممکن ہے کہ نواب صفوی کو پھانسی کی سزا دی جائے۔ میں نے جیسے ہی یہ خبر پڑھی میرے حواس اڑ گئے اور میں بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگی۔ ان دنوں میں حاملہ تھی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس خبر نے میرے دل کو کتنا گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ میں اپنے پروردگار کی بارگاہ عالیہ میں ہمیشہ یہی دُعا کیا کرتی تھی کہ پالنے والے! وہ دن نہ آنے پائے کہ نواب صفوی اس دُنیا میں نہ رہیں اور میں زندہ رہ جاؤں۔ ان سے پہلے تو مجھے اس دنیا سے اٹھالے یہی میری دلی تمنّا ہے۔ میں انتہائی خلوص کے ساتھ ہمہ وقت اور ہر نماز کے بعد یہی دُعا مانگا کرتی تھی مگر افسوس کہ تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ غرض کہ

نواب صفوی کو ۷۵ دنوں تک قید خانہ میں رکھا گیا اور اس اثنا میں ظالموں نے انھیں بے شمار مصائب و مظالم کا شکار بنائے رکھا۔ میں ہر روز مذہبی علماء اور شاہی حکومت کے برسرِ اقتدار لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہی تاکہ انھیں سزائے موت نہ دی جائے چاہے عمر قید ہو جائے۔ اس سلسلے میں میں نے امام جمعہ بہبہانی جیسے شاہ دوست لوگوں سے بھی ملاقات کی مگر میری فریاد رسی کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ ایک دن میں بہبہانی کے گھر گئی۔ کمرے میں بہت سے طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ بہبہانی بھی موجود تھے۔ میں کمرے کے اندر رہی ایک گوشے میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک مسلمان عورت ایک عالمِ دین یا مجتہدِ وقت سے ملاقات کرنے آئے تو یہ کس حد تک جائز ہے کہ اس سے مجمع عام میں گفتگو کی جائے؟

خیر کوئی بات نہیں۔ اگر عام مجمع میں گفتگو کا موقع ملا ہے تو میں آپ لوگوں کی خدمت میں صرف یہ عرض کرنے آئی ہوں کہ نواب صفوی موت سے بالکل نہیں ڈرتے بلکہ ہمہ وقت اس کے لئے ہمہ تن آمادہ رہا کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ نماز کے بعد بھی دعا کرتے رہے ہیں کہ انھیں شرفِ شہادت حاصل ہو جائے۔ میری بات کاٹتے ہوئے اس نے سوال کیا کیا ایک مردِ مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ انسانوں کا قتل کرے؟۔ میں نے فوراً ہی جواب دیا کہ نواب صفوی یا ان کے ساتھیوں نے جس کا بھی قتل کیا ہے وہ انسان کہلائے جانے کے لائق نہ تھے بلکہ سب آدم خور جانوروں سے بھی کہیں زیادہ بدتر تھے۔ اس بہائی کی آپکے نظروں میں بڑی اہمیت ہے میں بخوبی واقف تھی کہ یہ سب لوگ نواب صفوی کے مخالف ہیں اور شاہی

حکومت کے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن میں نے کہا آپ لوگوں کے پاس صرف اس وجہ سے آئی تھی کہ حجّت تمام ہو جائے اور کل عدالتِ عالیہ میں پروردگار عالم کے سامنے میں یہ کہہ سکوں کہ میں ان لوگوں کے پاس فریاد لے کر گئی تھی مگر ان لوگوں نے اسلام کی حمایت کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔

مختصر یہ کہ میں نے اس شخص کو بہت بُرا بھلا کہا اور اٹھ کر چلی آئی۔ اس کے بعد میں قم پہنچی اور مذہبی علماء سے ملاقات کے دوران میں نے کہا آپ لوگوں کو بخوبی علم ہے کہ نواب صفوی نے امام زمانہ کی خاطر انقلاب برپا کیا تھا لہذا اگر ممکن ہو تو ان کی آزادی کے لئے کوئی اقدام کریں۔ میں آپ جیسے مذہبی علماء اور مراجع تقلید کی خدمت میں حجّت تمام کرنے آئی ہوں تاکہ کل قیامت کے میدان میں عدلِ الٰہی کے سامنے یہ کہہ سکوں کہ اے پالنے والے تو گواہ ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا تھا کیا۔ آپ لوگوں کی خدمت میں یہی التماس ہے کہ اگر ہو سکے تو نواب کی رہائی کے لئے کوئی مناسب اقدام عمل میں لائیں۔ اگر جان بوجھ کر آپ لوگوں نے خاموشی اختیار کیے رکھی تو کل پروردگار کی بارگاہ میں جواب دینے کے لئے تیار رہیئے گا۔

کچھ ہی دنوں بعد شاہی حکمرانوں نے میرے اُوپر یہ پابندی لگادی کہ سفر سے قبل پولیس سے اجازت لازمی ہے۔ صورتحال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے میں نے آیتُ اللہ بروجردی کو خط کے ذریعہ نواب صفوی کے جُملہ حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

تہران میں قیام کے دوران میں پُوری طرح سرگرم عمل رہی۔ ایک بار

میں ان سے ملاقات کی خاطر فوجی قید خانے گئی تو ان لوگوں نے بتایا کہ نواب کو یہاں سے دوسرے قید خانے میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ غرض کہ میں کافی دیر تک قید خانوں کا چکّر لگاتی رہی۔ خدا گواہ ہے کہ ان ظالموں نے مجھے قید خانوں کے اتنے چکّر لگوائے کہ میرے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔

انتہائی نزدیک ترین لوگ مجھے آتا ہوا دیکھ کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا کرتے تھے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگوں نے حکومت کے خوف کی وجہ سے مجھے دھکّا مار کر اپنے گھر سے باہر نکال دیا۔ اور گھر کی عورتیں مجھے دیکھ کر یہ کہنے لگتیں کہ یہاں سے فوراً چلی جاؤ ورنہ ہمارے مردوں کو تمہاری وجہ سے گرفتار کر لیا جائے گا۔ وہ دن میری آزمائش اور بے انتہا پریشانی کے دن تھے اور لوگوں نے میرے ساتھ نہایت بے وفائی کا سلوک کیا۔ ان لوگوں کی نظر میں دنیاوی عیش و آرام کے مقابلے میں اجرِ آخرت اور دیگر مذہبی امور کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

عزّت کی موت بہتر ہے

درحقیقت مصائب و آزمائش کی مدّت ختم ہو چکی ہے لیکن جب کبھی ان تکلیفوں کا خیال پیدا ہوتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مظالم کی ایک طویل داستان ہے بس مختصر لفظوں میں یُوں کہا جا سکتا ہے کہ میرے لئے ہر لمحہ ایک سال کے برابر تھا اور ہر آن ایک نئی آفت کا خوف

لگا رہا کرتا تھا۔

اِدھر نواب صفوی قید خانے میں غیر انسانی اذیتوں کا شکار تھے۔ میں نے ان کی آزادی کے لئے بڑی کوشش کی۔ صبح سے شام تک دوڑتی رہی مگر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ ویسے مجھے بخوبی معلوم تھا کہ نواب صفوی راہِ اسلام میں حاصل ہونے والی اس شہادت کا استقبال کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہیں۔ نواب صفوی اور ان کے دوستوں کی گرفتاری کو تقریباً ۵ روز گزر چکے تھے کہ ایک دن میں نے فوجی عدالت کے منصف آزمودہ در کو ٹیلیفون کیا۔ میں یہ جانتی تھی کہ حکومت کی صرف ہم ہی پر نہیں بلکہ ان تمام لوگوں پر کڑی نظر تھی جن سے میری یا نواب صفوی کی معمولی سی بھی پہچان تھی۔ میرے ہر ٹیلیفون کو ریکارڈ کر لیا جاتا تھا۔ اور حالت یہ تھی کہ اگر کسی شخص کی زبان پر دھوکے سے بھی نواب صفوی کا نام آجاتا تو اسے فوراً ہی گرفتار کر لیا جاتا تھا۔

پھر بھی میں نے گھر کے قریب سڑک کے کنارے پر لگے ہوئے پبلک ٹیلیفون بوتھ سے آزمودہ در کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ اے آزمودہ! تو وہی شخص ہے جس نے ایک ماں کے دو بچّوں میں سے ایک کو فوجی کمانڈ میں قتل کر ڈالا اور دوسرے کو موت کی سزا دیکر پھانسی دلادی اب تو نے نواب اور ان کے ساتھیوں کو بھی سزائے موت سنائی ہے۔ یہ بات کہاں تک مناسب ہے کہ تو ہم لوگوں کو اپنے وارثوں سے ملاقات کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ جب وقت آئے گا تو ملاقات کی اجازت بھی دیدی جائے گی۔ میں نے کہا کہ امیّد کرتی ہوں کہ تو اس سلسلے میں جلد ہی کوئی فیصلہ کرے گا اور

ہم لوگ اپنے وارثوں سے ملاقات کریں گے۔ یہ کہکر میں نے ٹیلیفون رکھدیا تین روز بعد فوجی پولیس گاڑی میرے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ ان لوگوں نے مجھ سے کہا جو لوگ نواب صفوی سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں وہ اس گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ میں نے اپنی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لیا اور فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ گئی میرے ساتھ نواب صفوی کی والدہ اور جعفری صاحب کی بیوی بھی تھیں۔ قیدخانہ عشرت آباد کے دروازے پر پہنچنے کے بعد کیا دیکھتی ہوں کہ مسلح فوجی سپاہیوں کی دو لمبی قطاریں لگی ہوئی ہیں اور گاڑی سے نیچے اترنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ یہ فوجی دستہ ہم لوگوں کی نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھنے کے لئے اس جگہ متقرر کیا گیا ہے۔ ہم لوگوں کو ایک چھوٹے کمرے کے اندر بیٹھا دیا گیا پھر وہ لوگ نواب صفوی کو لے آئے۔ اُن کے دائیں اور بائیں جانب دو مسلح فوجی سپاہی بھی تھے۔ ان کا مذہبی لباس یہ کہکر اتار لیا گیا تھا کہ تمہارے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ مذہبی لباس زیب تن کرسکو۔ مختصر یہ کہ نواب صفوی ہم لوگوں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا۔ خدا گواہ ہے کہ ان کے چہرے سے ملکوتی نور کی جھلک آرہی تھی۔ ان کا جسم اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ ۷۵ دنوں کے اندر انھیں بے شمار مصائب جھیلنے پڑے ہیں لیکن ان کا نورانی چہرہ یہ بتا رہا تھا کہ روحانی طاقت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔

ان کی والدہ نے نواب صفوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے میرے جگر کے ٹکڑے! کاش میں تمہاری یہ مظلومانہ صورت دیکھنے سے پہلے ہی اس دُنیا سے اٹھ گئی ہوتی اور یہ منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔ والدہ گرامی کی درد بھری آواز نے

نواب صفوی کو بہت متاثر کیا اور نہایت والہانہ انداز میں ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا اے والدۂ گرامی! میں کوئی جسارت نہیں کرنا چاہتا مگر میرا دل چاہتا ہے کہ آپ بھی صدر اسلام کی ان ماؤں کی طرح ہو جائیں جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنے لڑکوں کی قربانی پر شکر کا سجدہ ادا کیا ہے۔ شاید آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں کہ ایک ماں کے چار لڑکے تھے۔ اس نے اپنے چاروں لڑکوں کو پیغمبرِ اسلام کے ہمراہ بھیج دیا تھا کہ وہ راہ اسلام میں جہاد کا شرف حاصل کر سکیں۔ اس بوڑھی ماں کے چاروں لڑکے اس جنگ میں شہید ہو جاتے ہیں۔ جب پیغمبرِ اسلام جنگ سے واپس لوٹے تو وہ بوڑھی عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگی اے اللہ کے رسولؐ! میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ میرے چاروں لڑکے آپ جیسے پیغمبرؐ کے ہمراہ دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اے والدۂ گرامی! آپ بھی ویسا ہی حوصلہ پیدا کیجیے۔ دُنیا میں ہر شخص کو بہر حال ایک نہ ایک دن موت سے ہمکنار ہونا ہی ہے۔ موت کے طریقے الگ الگ ہیں کوئی جان لیوا حادثے کا شکار ہو جاتا ہے کسی کو بیماری کی وجہ سے موت آجاتی ہے، کوئی بلندی سے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے، کوئی حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اس دُنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور کوئی دریا میں ڈوب کر مرجاتا ہے.......

لیکن وہ موت بہتر ہوتی ہے جو عزت کے ساتھ آجائے۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے اور سب سے اچھی موت وہ ہے جو اللہ کی راہ میں آجائے۔ اس کے بعد نواب صفوی نے کہا اے والدۂ گرامی! اگر میں اس محمد رضا

سے سمجھوتہ کرلوں تو میری جگہ یہ قید خانہ نہ ہو۔ واضح رہے کہ نواب صفوی یہ باتیں اس وقت کہہ رہے تھے جبکہ ان کا ہاتھ ایک فوجی سپاہی کے ہاتھ سے بندھا ہوا تھا اور ان کی پشت پر دو مسلح فوجی افسر ہتھیار سنبھالے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ گونا گوں مصائب کی وجہ سے ان کا جسم چکنا چور ہو چکا تھا۔ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے نواب صفوی بولے اگر میں اس محمّد رضا جیسے حرام زادے سے مصالحت کرلوں تو بڑی سے بڑی دنیاوی نعمت اور اعلیٰ شاہی عہدے ہمارے ملکیت میں آسکتے ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ میں ذلّت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر سمجھتا ہوں اور میں نے عہد کر رکھا ہے کہ زندگی کے آخری لمحات تک خدا کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرتا رہونگا۔

اس کے بعد وہ میری طرف مخاطب ہوئے۔ بچّوں کی خیریت دریافت کی پھر میرا حال پوچھا۔ میں نے کہا اچھّی ہوں۔ میرا حال انھوں نے قصداً اس وجہ سے اور دریافت کیا تھا کیوں کہ میں اس زمانے میں حاملہ تھی اور ان بے پناہ مصائب کا سامنا بھی تھا۔ ویسے میں نے یہ جواب تو دیدیا کہ خیریت سے ہوں لیکن اگر مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہوتا کہ انھیں جلد ہی شہید کر دیا جائیگا تو میں ان سے کچھ ضروری باتیں ضرور پوچھ لیتی مثلاً عنقریب ہی عالم وجود میں آنے والے بچّے کا نام کیا رکھوں گی۔ اور میری آئندہ زندگی کے لئے ان کا کیا حکم ہے اور وہ کون سے طریقے ہیں جن کی پیروی کے ذریعے میں ان کی جد و جہد کو باقی رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہوں۔ مگر کیا کرتی۔ اس خوف سے کہ کہیں آئندہ ملاقات میں رکاوٹ نہ پیدا کر دی جائے میں نے ان تمام سوالوں کو اپنے سینے ہی میں چھپائے رکھا۔

کچھ دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد نواب صفوی نے کہا۔ اچھا! میں تم لوگوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ میں اٹھ کر ان کے قریب پہنچ گئی اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے پوچھا۔ اے میرے وارث! آپ مجھ سے خوش ہیں کہ نہیں۔ میں نے آپ کی گرفتاری کے بعد جو جدوجہد کی ہے اس سے آپ ناراض تو نہیں ہیں کیوں کہ صرف آپ کی محبّت کی وجہ سے میں لوگوں کے دروازے کا چکّر لگاتی رہی کہ شاید آپ کی رہائی کی کوئی صورت نکل آئے۔ میری اُن باتوں کو سُن کر نواب صفوی نے کہا۔ نہیں نہیں تم یہ قطعی مت خیال کرو کہ میں تم سے ناراض ہوں۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ اور یہ دعا ہے کہ پروردگار عالم بھی تم سے خوش ہو جائے۔ خدا گواہ ہے کہ تم نے ہر مرحلے پر انتہائی صبر اور بردباری سے کام لیا ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر تم نے میرے ہی نقشِ قدم کی پیروی کی ہے۔ تم نے خدا کی راہ میں کئے جانے والے اس انقلاب میں ہر منزل پر میرا ساتھ دیا اور ہر طرح کے مصائب برداشت کرتی رہیں۔ مگر پیروں میں معمولی سی لغزش بھی نہیں آئی۔ خدا شاہد ہے میں تم سے بہت خوش ہوں۔ اور تم سبھی لوگوں کو پروردگارِ عالم کے سپرد کرتا ہوں۔ اس سے بہتر اور بالاتر کون ہے کہ تم لوگوں کو اس کی سپردگی میں دیدوں۔

ملاقات کا وقت ختم ہو گیا اور وہ لوگ نواب صفوی کو اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگے۔ نواب صفوی بار بار گردن گھما کر بچّوں کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ میں کیا جانتی تھی کہ یہ ان کا آخری دیدار ہے۔ اور اب یہ صورت دوبارہ دیکھنے کو نہ ملے گی۔

مجاهد اسلام نواب صفوی کی شہادت

نواب صفوی کی گرفتاری کے بعد میں ساری ساری رات پروردگار کی بارگاہ میں یہی دعا کرتی رہتی تھی کہ اے پروردگار! نواب صفوی کو زندہ وسلامت رکھ۔ ہر نماز کے بعد میری یہی فریاد تھی کہ نواب کا سایہ ہمارے سر پر باقی رہ جائے مگر تقدیر کا لکھا پورا ہوا کرتا ہے۔ ایک روز صبح کے وقت کیا دیکھتی ہوں کہ بیوۂ واحدی اور ان کے ہمراہ کچھ اور خواتین گریہ وزاری کرتی ہوئی میرے گھر میں داخل ہوئیں۔ اور مجھکو مخاطب کرکے بولیں۔ بہن! تم بھی میری طرح سے بیوہ ہو گئیں۔ اس کے تھوڑے ہی دیر بعد ریڈیو میں خبر نشر کی گئی کہ کل رات نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں کو سزائے موت دیدی گئی۔

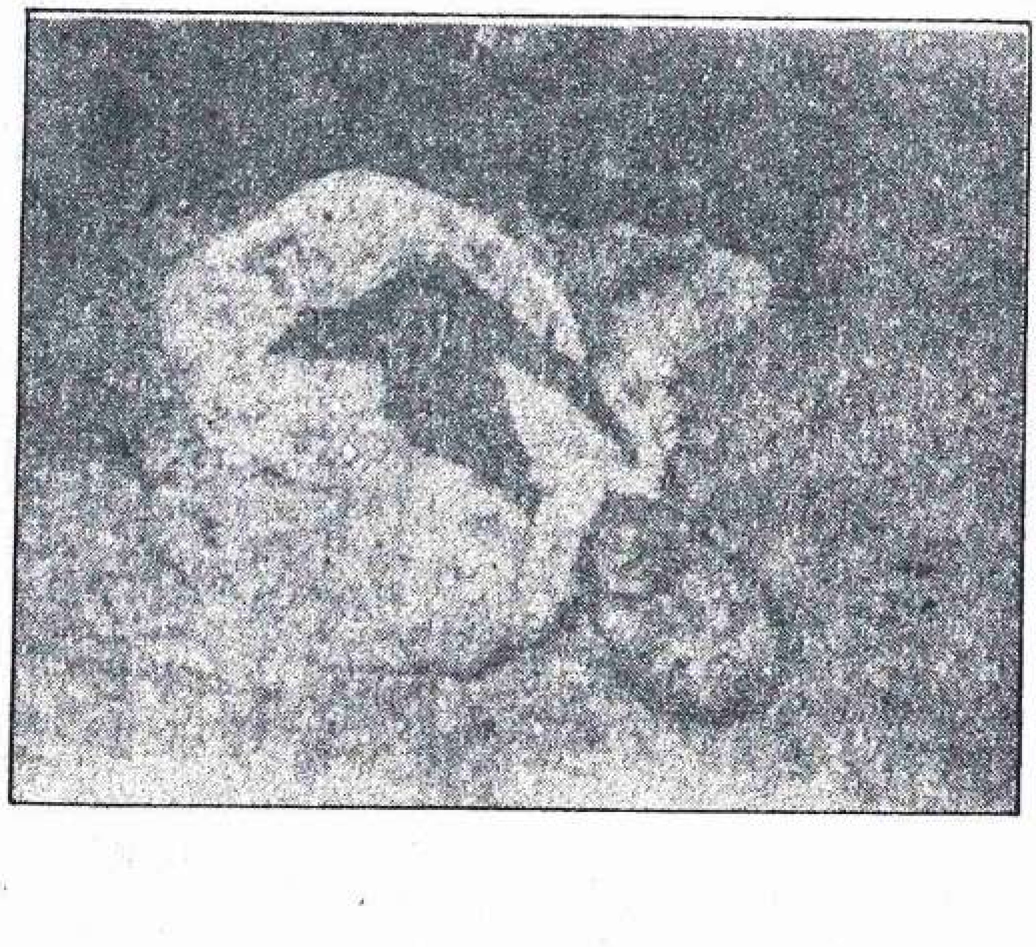

اے خدا! میری طرف سے یہ قربانی قبول کرلے۔ زوجہ نواب صفوی۔

میں اپنے وارث کا جنازہ لینے کے لئے بہبہانی کے گھر گئی۔ اور ان سے کہا کہ آقا! نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کوئی ایسی صورت نکالیے کہ ان لوگوں کا جنازہ ہمارے حوالے کر دیا جائے تاکہ ہم لوگ اپنے وارثوں کا کفن ودفن کر سکیں۔ انھوں نے ہم لوگوں کو دکھانے کے لئے ٹیلیفون کیا اور کچھ دیر کی گفتگو کے بعد بولے کہ ان لوگوں کا جنازہ حکومت کی جانب سے دفن کرایا جا چکا ہے۔ درحقیقت میں جنازہ صرف اس لئے حاصل کرنا چاہتی تھی کہ ملک میں انقلاب برپا کر سکوں۔

اسی روز شام کے وقت ہم لوگ نواب صفوی کی قبر پر گئے۔ ہزاروں لوگ اس جگہ پر پہلے ہی سے جمع تھے۔ مسلح فوج کے سپاہیوں نے قبرستان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور فوجی سپاہیوں کی تعداد بھی ہزاروں سے کم نہ تھی۔ غرض کہ چاروں طرف شاہی فوج کے مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ میں بھی تمام دوسرے لوگوں کے ہمراہ گریہ وزاری کرتے ہوئے نواب صفوی کی قبر کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ بہرحال قبر کے قریب پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس دنیا میں اب ہمارا کوئی نہیں ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا چھا گیا۔ جدھر نگاہ اٹھا کر دیکھتی تاریکی کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ میں زار و قطار رو رہی تھی۔ اور رونے کے علاوہ میرے بس میں کیا تھا۔ اسی اثنا میں ایک فوجی افسر میرے قریب آیا اور ڈانٹتے ہوئے بولا۔ "اٹھ کھڑی ہو جا۔ بہت رو چکی اب گھر جا کر زندگی بھر روتی رہنا۔" اس کی آواز سن کر ایسا معلوم ہوا جیسے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ہو۔ میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور شاہی فوج کے غلاموں کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ تم لوگ ٹھیک

ہی کہتے ہو۔ خاندانِ آلِ محمدؐ کو بنی امیہ نے اسی طرح تسلّی دی تھی۔ ظاہر ہے کہ تمہیں اپنے آباد واجداد کی سنّت کی پیروی کرنی ہے۔ اور شہادت وقید خانے کی سختیاں ہم لوگوں کو اپنے اجداد سے وراثت میں ملی ہیں جن پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ اے خانوادۂ بنی اُمیّہ کے یزید صفت جلّادو! تم پر خدا کی لعنت ہو۔ اور اے پہلوی خاندان کے خونخوار کتّے! تجھ پر اور تیرے غلاموں پر خدا کی لعنت کہ فرزندانِ قرآن واسلام کو آدھی رات گئے شہید کر ڈالا۔ آخران لوگوں کا جرم بس یہی تھا کہ وہ لوگ حق پرست اور دیندار تھے اور تو اسلام کا جانی دشمن ہے۔ خدا کی قسم اپنے اس فعل سے تو نے ثابت کر دیا کہ تیرا تعلق یزیدی گھرانے سے ہے اور اسلام سے دلی عداوت ہی تیری میراث ہے۔"

خدا گواہ ہے کہ میں یہی چاہتی تھی کہ مسلح شاہی جلّاد میرے اُوپر گولیاں برسا دیں اور میں اپنے وارث کی قبر کے قریب ہی شہید ہو جاؤں۔ میری دلی خواہش صرف یہی تھی کہ نواب صفوی کے بعد ایک پل بھی زندہ نہ رہوں اسی وجہ سے میں اپنی تقریر کے دوران ظالم شاہی حکومت کو بے نقاب کرنے میں ذرّہ برابر خوفزدہ نہیں ہوئی۔

اس کے بعد میں نے قبرستان میں جمع لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے لوگو! نواب صفوی کی دلی خواہش تھی کہ انھیں شہادت کا شرف حاصل ہو جائے۔ ہر نماز کے بعد وہ بارگاہِ عالیہ پروردگار سے شہادت طلب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے پروردگار! میری پیشانی کو اس مقدس خون سے رنگین کر دے جو تیرے عزیز ترین دین اسلام کی راہ میں بہا ہو۔ نواب صفوی زندگی بھر اسلام

دشمن ظالموں کی مخالفت اور ان کے خلاف زبردست جدوجہد کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ امام جعفر صادقؑ کے اس ملک میں اسلامی قوانین و احکام کی پیروی ہونی چاہیئے چنانچہ وہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے پوری زندگی خدمتِ اسلام ہی میں مصروف رہے۔

نواب صفوی اکثر کہا کرتے تھے کہ اس شاہی دورِ حکومت میں کچھ لوگ شراب و کباب اور رقص و سرود کی محفلوں میں عیش و طرب کے گیت گاتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور یہ وہ طبقہ ہے جو ظالم اور جلاّد صفت شاہ کی خوشامد میں لگا رہتا ہے اور دوسری طرف ملک کے بے شمار لوگ فقر و فاقے کی وجہ سے جاں بلب ہیں۔ کچھ لوگ ایسے مفلس ہیں کہ ان کا بچہّ دوا کی کمی کی وجہ سے ان کی نگاہوں کے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتا ہے اور ظلم و ناانصافی کی بنیاد پر حکومت کرنے والے شاہی غلاموں کو ان غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کے بارے میں غور و فکر کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یہ مٹھی بھر لوگ خالقِ کائنات سے بالکل ہی بے خبر ہیں۔ نواب صفوی کا پروگرام تھا کہ ایران میں ایسی حکومت کی تشکیل ہو جائے جو ہر شعبۂ حیات میں اسلامی احکام و قوانین کی پیروی کرے۔ مظلوموں اور پسماندہ طبقے کے لوگوں کے مسائل کا حل فقط اسلامی احکام کے ہاتھوں میں ہے۔

مختصر یہ کہ میں نے اپنی تقریر کے دوران نواب صفوی کے مقاصد اور منصوبے کے بارے میں لوگوں کو سب کچھ بتا دیا۔ اس کے بعد ظالم اور یزیدی کردار کے حامل شاہ پلید کو مخاطب کرتے ہوئے بولی! اے پہلوی بچےّ! آخر تو ہم لوگوں کو کس چیز سے خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ہمارے سارے مرد تیری گولیوں

کے شکار ہو جائیں گے تو ہم عورتیں اس بات کے لئے تیار ہیں کہ اپنے آپکو راہِ اسلام میں قربان کرنے کے لئے پیش قدم ہو جائیں۔ ہم خواتینِ اسلام تجھ جیسے نامرد اور بزدل اسلام دشمن کی گولیوں سے خوفزدہ نہیں ہوا کرتے۔ خدا کی قسم، ہم لوگ اپنے بچّوں کی ایسی تربیت کر رہے ہیں کہ سنِ بلوغ کو پہنچ کر وہ تجھ سے بے گناہوں کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اے پہلوی کتّے! تو یہ چاہتا ہے کہ فرزندانِ اسلام کو موت کے گھاٹ لگا کر تو اپنی ظالمانہ حکومت کو یونہی برقرار رکھے۔ لیکن تجھے معلوم نہیں ہے کہ ہمارے بچّے بہت جلد ہی تیری گردن دبوچ لیں گے اور اسلام کے شہیدوں کے مقدس خون کا بدلہ لیکر ہی چھوڑیں گے۔ پھر میں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے میرے وطن کے غیرت دار لوگو! شاہی جلّاد پہلے نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں پر بے تحاشہ کوڑے برساتے تھے پھر ان کے خون میں ڈوبے ہوئے جسم پر نمک چھڑکا کرتے تھے۔

غرض کہ میں نے اپنی تقریر کے دوران ان تمام مظالم کا تفصیلی تذکرہ کر دیا جو قید خانے کی زندگی کے دوران نواب اور ان کے ساتھیوں پر ڈھائے گئے تھے۔ میری تقریر سُن کر لوگ بے ساختہ رونے لگے۔ ان رونے والوں میں شاہی فوج کے مسلح سپاہی بھی شامل تھے۔ میں ظالم شاہ کے غلاموں کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ اے بنیّ اُمیّہ کے غلامو! تم کھڑے کھڑے میری طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ گریہ کرو گریہ۔ اگر خدا نے چاہا تو تمہاری آنکھیں ندامت کے ان آنسوؤں سے ہمیشہ بھیگی رہیں گی اے پہلوی بچے! خدا کی قسم ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ ہم نے راہِ خدا میں شہادت اور اسارت کا دوبارہ استقبال کیا ہے۔ تجھے شاید خبر نہیں کہ شہادت ہمیں

اپنے بزرگوں سے میراث میں حاصل ہوئی ہے۔

پھر میں اپنے وارث کی قبر سے مخاطب ہو کر بولی۔ اے عاشق خدا نواب صفوی تم پر ہمارا اسلام۔ اے کشتہ راہِ حق! تم پر ہمارا اسلام۔ دنیا دیکھتی رہ گئی اور تم و تمہارے ساتھیوں نے خدا کی راہ میں اپنی جان نچھاور کر دی۔ تم کو، تمہارے بیٹے ۲ سالہ محمدؐ کو، خلیل طہماسبی اور تمہارے عبدالحسین واحدی کو شہادت کا عظیم الشان شرف مبارک ہو۔ غرضکہ میں نے ایک ایک شہید کو نام بہ نام مبارک پیش کی اور ہزاروں لوگ زار و قطار روتے رہے۔

میں نے کہا۔ اے نواب! تم ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ اگر میدانِ کربلا میں ہوتے تو اپنے جدّ بزرگوار حسینؑ ابنِ علیؑ کی مدد کرتے۔ الحمد للہ کہ تمہاری تمنّا پوری ہو گئی۔ اے پروردگار! تجھ کو خونِ ناحق حسینؑ ابنِ علیؑ کا واسطہ راہِ اسلام میں ہم لوگوں کے ہدیۂ ناچیز کی شکل میں ان شہیدوں کی قربانی کو قبول فرما۔ اور ان پر اپنی رحمت نازل کر،، اس کے بعد میں نے واقعہ کربلا کا بیان شروع کر دیا۔ سیّدالشہداء کی شہادت کے بعد جناب زینبؑ کی اسیری کا تذکرہ بھی کیا۔ لوگ چیخ مار مار کر رونے لگے۔ ان کے خیالات میں بیداری پیدا ہو گئی۔ ہر آدمی میں اسلام دشمنوں سے نفرت پیدا ہو گئی مگر کسی کی سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے بعد سوم اور ہفتم کے موقع پر بھی میں نے یونہی تقریر کی۔ چنانچہ بعض اخباروں نے یہ لکھا کہ نواب صفوی کی روح انکے زوجہ میں حلول کر گئی ہے اور وہ لوگوں کو ایک خونین انقلاب کے لئے آمادہ کر رہی ہیں۔ میرے والد کے ایک دوست محکمۂ پولیس میں ملازم تھے۔ ایک دن انھوں نے چپکے سے میرے والد سے کہا کہ حکومت کا یہ پروگرام ہے کہ آپ کی لڑکی کو

نواب صفوی کی قبر کے آس پاس کسی گاڑھی یا موٹر کے نیچے دبا کر ختم کر دیا جائے یا پھر ان کا اغوار کرلیا جائے۔

چنانچہ میرے والد نے مجھ سے کہا پدر جان! اگر یہ لوگ گولیاں برسا کر تجھے قتل کر ڈالیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ تجھے بھی شرف شہادت حاصل ہو جائے گا۔ لیکن خدانخواستہ اگر تجھے اغوار کر کے لے گئے تو بڑی ذلت و رسوائی ہو گی اور تیری جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اسی اثنا میں ایک شخص نے نواب صفوی کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ میرے بچّوں کو سمجھا دو کہ وہ کچھ دنوں تک میری قبر پر نہ آئیں۔

چنانچہ میں کچھ دنوں تک نواب صفوی کی قبر پر جانے سے پرہیز کرتی رہی۔ بہرحال ان دنوں میں نے جو تقریریں کی تھیں انھوں نے ایرانی عوام کو بہت متاثر کر رکھا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پروردگار نے میرے اندر وہ انقلابی خصوصیات کہاں سے پیدا کر دی تھیں۔ ایک دن میرے والد کے ایک دوست ان سے کہنے لگے میں نے جناب زینبؑ کے خطبے کے بارے میں خالی سنا تھا لیکن آج میں نے خطبۂ زینبؑ کا انداز اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس زمانے میں یہ رسم نہ تھی کہ کوئی عورت عام مجمع میں تقریر کرے۔ اس وقت میری عمر تقریباً ۲۰ یا ۲۱ برس تھی۔ ڈھائی اور ساڑھے چار سال کی دو لڑکیاں تھیں اور تیسرے بچّے کی ولادت عنقریب تھی۔

بہرحال خدا بہتر جانتا ہے کہ نواب صفوی کن اعلیٰ اسلامی مقاصد کی خاطر جدوجہد میں مشغول تھے۔ وہ بڑی عمدہ سوجھ بوجھ کے مالک اور نہایت بلند ہمّت اور باحوصلہ مجاہد اسلام تھے۔ پروردگار سے دُعا ہے کہ ہزاروں شہیدوں کے

مقدس خون کی قیمت کی شکل میں حاصل ہونے والی اس کامیابی، انقلاب اسلامی ایران کو اجانب اور اغیار کی نگاہِ بد سے محفوظ رکھے اور اسلام کے دشمنوں کی تباہی ہو۔

شہید نوابؒ کو امام خمینی سے بڑی عقیدت تھی

نواب صفوی ہر اس شخص کو بہت عزیز رکھتے تھے جس کے بارے میں انھیں یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس نے اسلام کی کوئی معمولی سی بھی خدمت انجام دی ہے یا اس راہ میں کوئی اقدام کرنے والا ہے۔ اور اکثر وہ یہ سوچ کر رونے لگتے تھے کہ آخر بعض علماء دین اور عوام حکومت کے خوف کی وجہ سے اسلام کی کامیابی کیلئے جد و جہد کیوں نہیں کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر تھوڑے سے مصائب کے عوض اسلام کو کامیابی مل سکتی ہے تو علماء دین کو اس عمل صالحہ میں تاخیر سے کام نہ لینا چاہیئے۔ بلکہ علماء کو کفر کے خلاف فتویٰ دیکر اسلامی انقلاب کی قیادت کی ذمّہ داری اپنے کندھوں پر لے لینی چاہیے، تاکہ طاغوتی پہلوی حکومت کے خلاف کامیابی حاصل ہو سکے اور اسلامی سرزمین پر اسلامی قوانین کی حکمرانی کی زمین فراہم ہو سکے۔

کبھی کبھی آقا شیخ ابوالفضل خراسانی، جو اس دور کے مجتہدین میں شمار کئے جاتے تھے، میرے گھر آجایا کرتے تھے وہ نواب صفوی کی روپوش زندگی کا زمانہ تھا پھر بھی وہ آقائے خراسانی کی آواز سنتے ہی پا برہنہ دروازے پر پہنچ جایا کرتے تھے اور نہایت خندہ پیشانی اور انکساری کے ساتھ ان کا استقبال کرتے تھے۔ اور جتنی دیر وہ بیٹھے رہتے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا نواب صفوی اپنے آپ کو ان پر نچھاور

کر دیں گے۔

وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ پہلوی بچہ توبہ کرکے اسلام کی طرف پلٹ آئے۔ اور اس ملک میں اسلامی قوانین رائج کردے تو میں اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن جو شخص اسلامی احکام کی نافرمانی کرتا ہوا نظر آئے گا تو پروردگار کی مدد سے میں اس کا سر پھوڑ دوں گا۔

تنظیم فدائیانِ اسلام کی ایک فرد کا کہنا تھا کہ نواب صفوی کو امام خمینی سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ان سے بے پناہ محبّت کرتے تھے۔ اور اکثر نماز شب کے بعد نواب صفوی کندھے پر عبا ڈال کر گھر سے باہر نکل جایا کرتے تھے حالاں کہ یہ ان کی خفیہ زندگی کے دن تھے پھر بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے گھر سے باہر چلے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ حاج آقا روح اللہ خمینی کی خدمت میں شرفِ ملاقات حاصل کرنے جا رہا ہوں۔

نواب صفوی ملک کے جملہ امور میں باقاعدہ مداخلت کیا کرتے تھے اور جب کبھی شاہ نے اسلام دشمن ممالک سے کوئی ایسا معاہدہ کرنے کی کوشش کی تو نواب صفوی اس کی مخالفت میں فوراً ہی ایک بیان جاری کر دیتے تھے کہ ہم فرزندانِ اسلام بیدار ہیں اور تمہارے ہر کام پر کڑی نگاہ لگائے ہوئے ہیں۔ اے اسلام دشمن حاکمو ! ہوشیار ہو جاؤ کسی دن شب کی تاریکی یا بھرے بازار میں لوگ تمہارے مظالم کا انتقام لے کر رہیں گے۔

ظالم پہلوی حکومت اور اس کے غلام افسران فدائیانِ اسلام سے بہت خوفزدہ رہا کرتے تھے اور ان کی ہر نقل وحرکت کا باقاعدہ حساب رکھا کرتے تھے۔

شہید نواب صفوی کو مذہبی لباس سے گہرا عشق تھا

آقائے واحدی کے بھائی جناب احمد تہرانی ایک صالح اور مذہبی نوجوان تھے۔ انھیں نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں کا بڑا خیال رہا کرتا تھا۔ اور اکثر وہ نواب صفوی کے ساتھ ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ بہرحال وہ فدائیانِ اسلام کے سرگرم کارکن تو نہ تھے لیکن ایک موقع پر جب فدائیان اسلام کی گرفتاری ہو رہی تھی تو انھیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا پھر بھی شاہی فوجی عدالت نے تمام لوگوں کے ساتھ انھیں بھی پھانسی کی سزا سنا دی۔ ان کے علاوہ سزائے موت پانے والوں کی فہرست میں نواب صفوی، طہماسبی، سید محمد واحدی، مظفر علی ذوالقدر، سید ہادی میرلوحی (برادر نواب صفوی) اور عبد خدائی جیسے خدمت گزاران اسلام بھی شامل تھے۔

لیکن فوجی عدالت نے بعد کی نشستوں میں احمد تہرانی، اصغر عمری اور سید ہادی میرلوحی کے سلسلے میں یہ حکم صادر کیا کہ مجرمانہ اور غیر قانونی حرکتوں پر نظر ثانی کے بعد ان تینوں لوگوں کو چھ، پانچ اور تین برس کی قید با مشقت سزا دی جاتی ہے۔

بہرحال آقائے احمد تہرانی کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کی گرفتاری کے بعد

عدالت کے عام اور آزاد اجلاس کے دوران نواب صفوی نے اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے ایک اہم کام انجام دیا تھا۔

واضح رہے کہ نواب صفوی کو مذہبی لباس سے بڑا گہرا لگاؤ تھا اور حکومت کو پہلے ہی سے اس بات کا بخوبی علم تھا۔ چنانچہ گرفتاری کے بعد ظالم جلادوں نے ان کا عمامہ یہ کہہ کر اتار لیا کہ تمہارے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ تم سر پر عمامہ رکھو۔ حسب معمول وہ اپنی کمر میں شال باندھے رہا کرتے تھے اور شال کے اوپر عبا ڈالے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس اجلاس کے دوران انھوں نے دیکھا کہ اخباری نمائندے ان کی تصویر لینا چاہتے ہیں تو انھوں نے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ کمر سے شال کھولی اور عمامے کی جگہ اسے سر پر باندھ لیا۔ شاہی جلادوں نے انھیں یہ کرتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ شال بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لی۔ صرف یہی نہیں بلکہ شاہی غلاموں نے ان کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی اور انھیں سر پر عمامہ رکھنے کی اجازت نہیں دی۔ ظالموں کی اس حرکت پر نواب صفوی کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگے "جد بزرگوار کی قسم، مجھے اسی مذہبی لباس میں شہادت کا شرف حاصل ہوگا۔ تم لوگ میرے اس لباس کو مجھ سے چھین نہیں سکتے"۔

آقائے تہرانی کہا کرتے تھے "مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا آخر آقا کی اس بات کا کیا مطلب ہے کہ میں لباس روحانیت پہنے ہوئے شہادت کے درجے پر فائز ہوں گا۔ کافی دیر غور و فکر کے بعد یہ عقدہ مجھ پر نہ کھل سکا۔ غرضکہ قید خانہ میں تقریباً دو ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ اس دو مہینے کے

دوران ہم لوگوں کو گوناگوں مصائب اور پریشانیوں کی منزلوں سے گزرنا پڑا۔ یہاں تک کہ نواب صفوی کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے وہ جلاد ہم لوگوں کو ان کی نگاہوں کے سامنے زدوکوب کیا کرتے تھے۔ آقا یہ منظر دیکھ کر پریشان ہوجاتے اور کہنے لگتے، "آخر تم لوگ انھیں کیوں مارتے ہو۔ اگر تمھیں سزا دینی ہے تو مجھے دو۔"

مختصر یہ کہ شہادت والی شب میں بھی دشمنوں نے ان کا عمامہ، عبا وغیرہ تمام سامان اور مذہبی لباس کو ان سے لے کر چھپا دیا۔ شہادت سے قبل جب ان کی آخری خواہش کے بارے میں پوچھا گیا تو نواب صفوی نے کہا میرا عمامہ اور میری عبا و قبا واپس دے دی جائے۔ ہم اپنے روحانی لباس میں شہید ہوں گے۔ ان لوگوں نے لباس واپس کر دیا اور نواب صفوی مذہبی لباس میں شہادت سے ہم آغوش ہوئے۔ اس وقت میری سمجھ میں آگیا کہ دو ماہ قبل آقا نے جو قسم کھائی تھی اس کا کیا مطلب تھا۔

اسی طرح آقائے تہرانی بیان کیا کرتے تھے کہ

ہم لوگ ایک ہی قید خانے میں مقید تھے پھر بھی ہمیں ایک دوسرے سے ملاقات کا کوئی حق نہ تھا اور اگر اتفاق سے ملاقات ہو بھی جاتی تو ایک دوسرے سے گفتگو کی اجازت قطعی نہ تھی۔ لیکن ایک روز میں اپنی قید کوٹھری کی صفائی کر رہا تھا، ادھر نواب صفوی بھی صفائی میں لگے ہوئے تھے۔ اس طرح ہم لوگوں کو ملاقات اور گفتگو کا موقع مل گیا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ "آج آپ مصدّق سے ملنے والے تھے تو کیا ہوا؟"

انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "مصدّق کو عدالت میں حاضر کیا گیا

لیکن مجھے دیکھتے ہی اس نے کانوں میں انگلی ڈالی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ نتیجے کے طور پر اس سے ہماری گفتگو نہیں ہو سکی۔“

نواب صفوی کی والدۂ گرامی کے بیانات

نواب صفوی کی والدہ اکثر آقای نواب کی ولادت اور بچپن کی زندگی کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ دوران حمل ہی مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میرے شکم میں پرورش پانے والا بچہ غیر معمولی صفات کا حامل ہے۔ عموماً حمل کے دوران میں بہت بیمار رہا کرتی تھی لیکن مجتبیٰ کی ولادت سے قبل خلاف معمول نہ میں بیمار پڑی اور نہ ہی مجھے کمزوری کا قطعی احساس ہوا۔

جس زمانے میں مجتبیٰ میرے شکم میں تھے ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ حضرت فضہؑ تشریف لائی ہیں اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی طرف سے میرے لئے ایک سوغات لئے ہوئے ہیں۔ سوغات کے ساتھ ایک خوشۂ انگور بندھا ہوا ہے جس میں صرف تین دانے ہیں۔ انگور کے دانے نہایت خوب صورت اور موٹے ہیں۔ جب میں نے سوغات کھول کر دیکھا تو اس میں ایک بردیمانی رکھی ہوئی تھی۔

جب میں خواب سے بیدار ہوئی تو کہنے لگی۔ ”یا اللہ! میں نے یہ کیسا خواب دیکھا ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے میرے لئے چادر اور انگور بطور تحفہ بھیجا ہے۔ جب مجتبیٰ بڑے ہوتے تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک غیر معمولی راہ پر گامزن ہیں۔ اور وہ غیر معمولی راہ راہِ الٰہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ بچپن ہی سے مجتبیٰ

عجیب وغریب حرکتیں کیا کرتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد خواب کی تعبیر سمجھ میں آگئی کہ اس پردیمانی سے مراد نواب ہیں اور انگور کے تین دانوں سے مراد نواب صفوی کے تینوں فرزند ہیں۔

نواب صفوی کی والدہ کا بیان تھا کہ ولادت کے بعد میرے اتنا دودھ نہیں ہوتا تھا کہ بچوں کے لئے کافی ہو۔ چنانچہ ان کی پرورش کے لئے مجھے دایہ کی مدد لینی پڑتی تھی۔ جب مجتبیٰ نے اس دنیا میں قدم رکھا تو معمول کے مطابق میں دایہ کی مدد لینے کے لئے مجبور ہوگئی۔ دودھ پلانے والی متعدد عورتوں کو بلایا کہ مجتبیٰ کو ان کے سپرد کردوں۔ ایک دایہ نے کہا کہ میں پہلے ہی سے تین بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں۔ لہٰذا میں آپ کے گھر میں رہ کر اس بچے کی پرورش نہیں کرسکتی۔ لیکن میں یہ ضرور کرسکتی ہوں کہ اس بچے کو اپنے گھر لے جاؤں اور اس کی پرورش کروں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہفتہ دس روز میں میں اسے آپکو دکھانے لے آیا کروں۔ میں نے مجبوراً دایہ کی شرط قبول کرلی اور بچے کو اس کے سپرد کردیا۔

پہلی رات بچہ بہت زیادہ رونا اور پریشان کرتا ہے۔ دایہ پریشان ہوکر آہستہ سے اس کی پشت پر ایک ہاتھ مار دیتی ہے۔

جب دایہ نیند میں ڈوب گئی خواب دیکھتی ہے کہ آسمان سے کچھ خواتین عربی لباس پہنے ہوتے آتی ہیں۔ سر پر رومال باندھے ہوئے ہیں اور بچے کے قریب جاکر اس کا گہوارہ ہلا رہی ہیں۔ دایہ ان عورتوں کے قریب جاکر کہتی ہے، لائیے میں خود بچے کو سلا دوں۔ وہ آسمانی خواتین اس عورت کے سینے پر مار کر کہنے لگتی ہیں: "نہیں تو ہمارے بچے کی پرورش کے لائق نہیں ہے۔ فوراً ہ،

اسے اس کی ماں تک واپس پہنچادے۔

اتفاق کی بات ہے کہ وہ عورت دوسری رات بھی یہی خواب دیکھتی ہے۔ تیسری رات پھر بھولے سے وہ بچے کی پشت پر آہستہ سے مار دیتی ہے۔ دراصل اسے بچے سے کوئی عداوت نہ تھی بلکہ بچوں کو سُلاتے وقت عموماً ماں بھی انھیں ایک دو مرتبہ آہستہ سے مار دیا کرتی ہے۔ چنانچہ اس دایہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

مغرب کا وقت آیا تو وہ عورت خیال کرنے لگی کہ آج رات پھر ویسا ہی خواب دکھائی دے گا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ اس وقت وہ آسمانی خواتین بڑے غصّے میں اس دایہ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں "ہم لوگوں نے تجھ سے کتنی مرتبہ کہا کہ ہمارے بچے کو اس کی والدہ تک پہنچا دے مگر تو نے ہماری بات کا کوئی خیال نہیں کیا۔ تو اس بچے کی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اسے فوراً اس کے والدین تک پہنچا دے۔" دایہ باتیں سن کر بے ہوش ہوگئی اور کچھ دیر بعد ہوش میں آتے ہی اپنے شوہر سے بولی "میں اب اس بچے کو ہرگز اپنے پاس نہ رکھوں گی۔" اس نے پوچھا آخر بات کیا ہے؟ عورت نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور پھر بولی تم چاہے جتنا اصرار کرو مگر میں اس بچے کی پرورش نہیں کرونگی چلو ہم لوگ اسے اس کے والدین کو واپس کردیں۔"

نواب صفوی کی والدہ بیان کیا کرتی تھیں کہ بہرحال ہم لوگوں نے انتہائی پریشانی کے ساتھ اس بچے کو پال پوس کر جوان کیا۔ دایہ کے انکار کے بعد ہم نے اس کی پرورش کے لئے پاؤڈر والے دودھ کا سہارا لیا۔ جاڑے

کا موسم تھا۔ ایک رات میں دودھ کی بوتل صاف کرنے کے لئے حوض کے قریب گئی۔ انجانے میں بوتل کا ڈھکن اور نپل حوض کے اندر چلا گیا۔ اس زمانے میں حوض کچھ گہرے بنائے جاتے تھے چنانچہ یہ ممکن نہ تھا کہ رات کے وقت اس حوض میں بوتل کا ڈھکن اور نپل تلاش کیا جائے۔ اندھیری رات تھی اور بچہ بہت بے قرار تھا اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ بچے کو دودھ کیسے پلاؤں۔ اسی اثنا میں اچانک بوتل کا ڈھکن اور نپل کمرے میں اس طرح آکر گرا جیسے کسی نے حوض سے نکال کر پھینک دیا ہو۔ غرضکہ اس رات یہ معجزہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ایک خاتون کبھی کبھی مجتبیٰ کو دودھ بنا کر پلا دیا کرتی تھیں۔ بچہ ان سے کافی مانوس ہو گیا اور وہ بھی اسے بہت پیار کرنے لگیں۔ ایک بار وہ مجتبیٰ کو ساتھ لے کر اپنے گاؤں چلی گئیں۔ ان کا گاؤں ایک پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ چنانچہ ان کے بچے کھیلنے کودنے کے لئے پہاڑ پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ ایک روز شام کے وقت وہ اپنے بچوں کو بلانے کے لئے پہاڑ پر چڑھنے لگیں۔ نواب صفوی اسی جگہ کھڑے تھے۔ وہ بھی اس عورت کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنے لگے مگر اس عورت کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کے پیچھے کوئی آرہا ہے۔ ابھی وہ پوری چڑھائی طے بھی نہ کر پائے تھے کہ لڑھک کر نیچے چلے گئے۔

یہ دیکھ کر وہ خاتون اپنا سر پیٹنے لگی اور بڑی زور سے چلائی "ہائے ہائے فلاں کا بچہ مر گیا۔ اب میں ان کو کیا منہ دکھاؤں گی"۔ یہ کہتے ہوئے وہ عورت تیزی سے نیچے اتری تو کیا دیکھتی ہے کہ بچہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ

کھیل رہے ہیں۔ اس نے مجتبیٰ کو گود میں اٹھا لیا اور پوچھا " ماں کی جان مجتبیٰ! آخر تم کیسے گر پڑے؟" اس وقت ان کی عمر تین چار سال سے زیادہ نہ تھی۔ کہنے لگے میں پہاڑ پر چڑھ رہا تھا ایک جگہ پیر پھسل گیا اور میں نیچے گر پڑا۔ اور اب میں اس جگہ کھیل رہا ہوں۔

ابھی نواب صفوی کی کمسنی کا زمانہ تھا کہ ایک روز ان کے والد بزرگوار مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولے " شکوہ سادات! تمھیں معلوم ہے کہ یہ بچہ مجھ سے مذہبی مسائل پر عجیب غریب سوال کیا کرتا ہے۔" ایک بار میں مجتبیٰ کو اپنے ساتھ لے کر سامان خریدنے کے لئے بازار گئی۔ دوکان دار نے ہمیں کچھ زیادہ پیسہ واپس کر دیا۔ میں نے مجتبیٰ سے کہا۔ لو یہ پیسہ دوکاندار کو واپس دے آؤ۔ مجتبیٰ نے جواب دیا۔" والدۂ گرامی! لائیے یہ پیسہ میں فوراً ہی دوکاندار تک پہنچا دوں۔ اگر ہم لوگوں نے ایسا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم لوگ چور ہیں اور اسلامی قوانین کے مطابق چور کے ہاتھ قلم کر دیئے جاتے ہیں۔" غرضکہ چار سال کی مختصر سی عمر میں نواب صفوی اپنے والد سے اس قسم کے سوالات اکثر پوچھتے رہتے تھے۔

نواب صفوی شروع ہی سے ظلم و ناانصافی کے خلاف نبرد آزما تھے

نواب صفوی کو پڑھنے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے دو سال کے اندر

چار ابتدائی کلاسیں پاس کر لی تھیں۔ ایک ہونہار اور ذہین طالب علم ہونے کی وجہ سے انھیں اسکاؤٹ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ تقریباً نو دس سال کی عمر تھی کہ اسکول والوں نے انھیں اسکاؤٹ ڈریس پہن کر آنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ ایسا لباس پہننے کے لئے قطعی آمادہ نہ تھے اور کہتے تھے مجھے اسکاؤٹ کا لباس بہت خراب معلوم ہوتا ہے۔ میں اسکاؤٹ نہیں بننا چاہتا۔ بہر حال چونکہ مدرسہ کی طرف سے حکم تھا لہٰذا ہم لوگوں نے انھیں مجبوراً اسکاؤٹ ڈریس پہنا کر اسکول بھیج دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ معائنہ کی غرض سے رضا خان اسکول آئے گا تو اسکاؤٹ لباس میں اسکول کا کوئی بچہ اسے گلدستہ پیش کرے گا۔ ایک ہونہار اور بہترین طالب علم ہونے کی وجہ سے گلدستہ پیش کرنے کے لئے نواب صفوی ہی کو منتخب کیا گیا۔

ان دنوں رضا خان پہلوی مجلس شورائے اسلامی کا افتتاح کرنے والا تھا۔ بہر حال وہ اسکول کے جلسے میں شرکت کے لئے آیا تو نواب صفوی نے گلدستہ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے اس کے سر کی طرف اتنی زور سے پھینکا کہ اس کی شاہی ٹوپی زمین پر گر پڑی۔ اس کے بعد تو پورے اسکول میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ اسکول کے پرنسپل کو فوراً ہی گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا اور یہ طے ہوا کہ یہ اُسی کی شرارت ہے لہٰذا اسے پھانسی دے دی جائے۔ لیکن بعد میں یہ ہوا کہ بچہ تھا اور بچوں سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اس طرح معاملہ ختم کرا دیا گیا۔

اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نواب صفوی بچپن ہی سے

رضا خان اور اس کی ظالم شاہی حکومت کے مخالف تھے۔ نو سال کی عمر میں وہ ملک میں پھیلی ہوئی ابتری اور بدعنوانی سے واقف نہ تھے لہٰذا انھوں نے جان بوجھ کر اور مخالفت کے جذبے کے تحت یہ کام نہ کیا تھا بلکہ نادانستگی کے عالم میں بھی وہ ان لوگوں سے نفرت کیا کرتے تھے۔ نواب صفوی کی والدہ بیان کرتی تھیں کہ مجتبیٰ کی عمر کوئی بارہ تیرہ برس رہی ہوگی کہ ملک میں بے پردگی کا رواج ہو گیا۔ مگر نواب بے پردہ خواتین کو دیکھ کر ان سے جھگڑنے لگتے تھے اور انھیں مخاطب کر کے کہتے تھے۔" اے بے شرم عورتو! تمہاری غیرت اسلامی کو کیا ہو گیا ہے۔ شرم و حیا سے کام لیتے ہوئے سر پر چادر ڈال لیا ہوتا" غرضکہ بے پردہ عورتیں نواب صفوی سے نظر بچا کر نکلنے میں ہی عافیت محسوس کرتی تھیں۔ نواب صفوی کی والدہ نقل کرتی ہیں کہ میری ہمشیرہ کی شادی ایک تاجر گھرانے میں ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کیا کرتی تھیں۔ نواب بچپن میں میرے ساتھ کبھی کبھی اپنی خالہ کے گھر ضرور جاتے تھے مگر پھل وغیرہ کچھ نہیں کھاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ سب حرام ہے۔ میں نہیں کھاؤں گا۔

نو برس کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا لہٰذا ان کی والدہ نے ان کے نام کے ساتھ اپنے خاندان کے نام کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح وہ نواب صفوی کے نام سے پکارے جانے لگے۔ ویسے میرلوحی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور میرلوحی گھرانے کی بڑی دلچسپ داستان ہے۔

نواب صفوی کے اجداد میں ایک بزرگ کے پاس ان کے خاندان کا پرانا شجرہ موجود تھا۔ ان دنوں ہر سادات گھرانے کے پاس اس کا اپنا خاندانی

شجرہ ہوا کرتا تھا۔ اتفاقاً ان دنوں سادات کو بڑے سخت اور نا خوش گوار حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ دوسرے لوگوں کی طرح انھوں نے بھی حکومت کے ظلم کے خوف سے اپنا شجرہ زمین میں گاڑ دیا اور بعد میں یہ بھول گئے کہ شجرہ کی تختی کس جگہ گاڑی تھی۔ غرضکہ انھیں خاندانی شجرہ کے گم ہو جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔

ایکبار انھوں نے کیا دیکھا کہ ایک لوح آسمان سے نیچے کی طرف آ رہی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ آسمانی تختی ان بزرگوار کے پیروں کے پاس آکر گر پڑی۔ انھوں نے اسے اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئے کہ یہ تو ان کے کھوئے ہوئے خاندانی شجرہ کی نقل ہے۔ اس واقعے کو دوسرے لوگوں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ اس واقعے کے بعد اس خاندان کا نام میرلوحی پڑ گیا جس کے معنی ہوتے ہیں صاحب لوح۔ اس طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اپنی والدہ کی نسبت سے صفوی کہلاتے اور ان کا اصل خاندان میرلوحی ہے۔

اسکول کا کورس پڑھتے وقت وہ ماں کے پاس آکر کہتے لگتے تھے۔ اماں! مجھے اس اسکول میں پڑھائے جانے والے کورس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے کسی دینی مدرسہ میں داخل کرا دیجئے تاکہ میں اپنے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب کے درس کا مطالعہ کرسکوں۔ میں تو حوزۂ علمیہ نجف میں دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس لڑکے سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور یہ نہیں چاہتی تھی یہ مجھ سے دور ہو۔ لہٰذا میں اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کرتی تھی کہ دینی مدرسوں میں جا کر بھوکوں مرنا چاہتے ہو اور طرح طرح کی پریشانیاں برداشت

کرنا چاہتے ہو۔

ایک بار میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تبریز میں تھی۔ واپسی پر میں نے دیکھا کہ مجتبیٰ گھر میں نہیں ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی اور ایک انڈسٹریل کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس وجہ سے انڈسٹری اور تکنیکی میدان میں اچھی خاصی مہارت حاصل ہو چکی تھی۔ لہٰذا آبادان جاکر انھوں نے تیل صاف کرنے والے کارخانے میں ملازمت کر لی تھی۔

ایک روز ایک برطانوی انجینئر نے تیل کی کمپنی میں کام کرنے والے ایک ایرانی ملازم کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا۔ نواب صفوی سے یہ منظر نہ دیکھا گیا۔ وہ فوراً اس ایرانی ملازم کے قریب پہنچے اور نہایت غصے میں چلاتے ہوئے کہا۔ ”اس بدبخت انگریز نے تیرے منہ پہ بھرپور طمانچہ مار دیا اور تو خاموش کھڑا رہ گیا۔ آخر تو نے اس کی اس نازیبا حرکت کا جواب کیوں نہیں دیا۔ تجھے بھی اس فرنگی کے منہ پر ایسا زوردار تھپڑ رسید کر دینا چاہیے تھا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرتا۔ غرضکہ نواب صفوی نے اس کے خلاف اتنا چرچا کیا کہ برطانوی انجینئر کے طرفداروں نے یہ طے کیا کہ نواب صفوی کو جان سے مار دیا جائے۔ لیکن حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے نواب کے کچھ دوستوں نے انھیں نجف بھیج دیا۔

اس طرح پندرہ سال کی عمر میں انھوں نے حوزۂ علمیہ نجف میں داخلہ لے لیا حالانکہ دنیاوی اعتبار سے انڈسٹریل انجینئرنگ میں ان کے پاس ڈپلوما موجود تھا۔

نجف میں قیام کے دوران نواب صفوی نے صاحب الغدیر آیۃ اللہ امینی جیسے بلند مرتبہ دانشمندان اسلام کی خدمت میں علم دین حاصل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ آیۃ اللہ امینی کے لڑکوں کو علوم دنیوی کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔

علامہ امینی اور میرے والد کے درمیان گھریلو تعلقات تھے اور اکثر ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ ایک بار انھوں نے میرے والد سے نواب صفوی کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ نواب میرا وہ پہلا ذہین شاگرد ہے جس نے تھوڑے دنوں کی محنت اور علمی لگن سے میرے اوپر وہ اثر ڈالا ہے کہ اب میں استاد و شاگرد کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ نواب صفوی کی فکری صلاحیتوں میں بڑی وسعت تھی۔ انھوں نے اپنے طرح طریقوں سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ غیر معمولی شخصیت کے حامل ہیں۔ اور ان کا درجہ دیگر شاگردوں سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

ان کی استعداد و صلاحیت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ دو برس تک انھوں نے حوزۂ علمیہ نجف کے تین بلند مرتبہ اساتذہ کی خدمت میں مختلف علوم اسلامی کا درس حاصل کیا۔ اس کے بعد بھی چار برس تک انھوں نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح تقریباً سات برس تک نجف اشرف میں علم دین حاصل کرتے رہے۔ لیکن سات برس تک قیام کے دوران انھوں نے اپنی ذاتی محنت سے اتنا علمی ذخیرہ جمع کر لیا تھا گویا انھوں نے تئیس برس سے بھی زیادہ دنوں تک اس سرزمین میں رہ کر

علوم اسلامی میں مہارت حاصل کی ہے۔

نجف میں قیام کے دوران انھوں نے کسروی کی کتاب کا مطالعہ کیا۔اس کی کتابوں کے مطالعے کے بعد ان میں عجیب وغریب ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔وہ ان کتابوں کو لئے ہوئے اپنے استاد علامہ امینی کی خدمت میں تشریف لے گئے اور کہا۔"آقا! اسلام کی نظر میں ان کتابوں کا مصنف کافر ہے یا نہیں؟" علامہ امینی نے جواب دیا یقیناً ایسی باتیں لکھنے والا شخص کافر ہے۔اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایسے شخص کو فوراً قتل کر ڈالے۔اس کے بعد نواب صفوی نے مقدس مقامات کی زیارت کی اور ائمۂ اطہار سے الوداع کہنے کے بعد پا پیادہ کربلا کی جانب روانہ ہو گئے۔

کچھ دنوں بعد وہ ایران واپس آجاتے ہیں۔ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگوں نے انگریزوں کی سرگرمی کے مرکز آبادان میں دیکھا ایک نوجوان سید ایک جگہ کھڑے ہوئے تقریر کر رہے ہیں۔وہ سیّد لوگوں سے یوں مخاطب تھے" اے مسلمانو! تمہاری غیرت اسلامی کو کیا ہو گیا ہے کہ کسروی جیسا ایک شخص تمہارے معاشرہ میں رہ کر تمہارے دین کو اس قدر نقصان پہنچانے میں مصروف ہے۔تمہیں کیا اس بات کی خبر نہیں ہے کہ کسروی اسلام کی عداوت میں اب تک چودہ کتابیں لکھ چکا ہے اور طرح طرح سے اسلام کی ذلت و رسوائی پر تلا ہوا ہے اور تم لوگ اس کی اسلام دشمن حرکت پر بالکل خاموش بیٹھے ہو جیسے جس اسلام کی اہانت کی جا رہی اس سے تمہارا

کوئی واسطہ نہیں ہے۔ پس تم کیسے مسلمان ہو کیسے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ قرآن تمہاری کتاب ہے اور تم امام زمانہ کے دوست ہو۔"

مختصر یہ کہ نواب صفوی کی تقریر سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اور کچھ لوگوں نے یہ قسم کھائی کہ جو کچھ نواب صفوی حکم دیں گے ہم سب لوگ اس پر عمل کریں گے۔ نواب صفوی آبادان سے تہران کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۲۲ سال کی تھی۔ تہران پہنچنے کے بعد وہ کسروی کے گھر گئے اور اس سے بحث و مباحثہ شروع کیا۔ اس بحث مباحثہ کا اثر یہ ہوا کہ کسروی کے تقریباً پندرہ شاگرد نواب صفوی کے خیال کی طرفداری کرنے لگے۔ انھوں نے کسروی کے منہ پر اس کے اسلام دشمن کرتوتوں کی سخت مذمت کی اور اسے بھی خوب لعنت و ملامت کی۔ بحث و مباحثے کا یہ سلسلہ تین دنوں تک چلتا رہا۔ کسروی نواب کی عالمانہ صلاحیت سے بہت مرعوب و متاثر ہوا اور کہنے لگا۔ نواب صفوی تم ہماری مدد کرو تو ہم دونوں مل کر پورے ایران کو فتح کر سکتے ہیں۔ نواب صفوی نے کہا۔ اے بدبخت اپنی شرمناک حرکتوں پر نادم ہو جا اور اسلام کے دامن میں پھر پناہ لے لے اور اسلام کی شان میں جو جسارت اور گستاخی کی ہے اس کے لئے توبہ کر لے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو ہم جیسے مسلمان تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔

اس کے بعد کسروی نے یہ کہنا شروع کیا کہ میری جان خطرے میں ہے۔ نواب صفوی مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بات عدالت تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد کسروی کے قتل کا حادثہ سامنے آتا ہے۔ اس کو قتل

کرنے کے بعد وہ نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے اور للکارتے ہوئے کہا: "ہم لوگوں نے اس سگ روسیاہ یعنی کسروی کا کام تمام کر دیا"

نواب صفوی کے بھائی آقائے میرلوحی سے ایک گفتگو

دشمنان اسلام نواب صفوی کو دیکھ کر مرعوب اور وحشت زدہ ہو جایا کرتے تھے

آقائے میرلوحی! ہم لوگ آپ کے بھائی نواب صفوی کی زندگی کے بارے میں اور ان کی انقلابی سرگرمیوں کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے برادر عزیز کی زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں کچھ تفصیلی روشنی ڈال سکیں تو بہتر ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے لئے یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس مختصر سی گفتگو کے دوران نواب صفوی (میرلوحی) جیسے مجاہد اسلام کی انقلابی جدوجہد اور اسلامی جہاد سے معمور زندگی کا تار بخیہ پیش کر سکوں۔

برادر مرحوم شہید نواب صفوی کی مثال اس درخشندہ ستارہ جیسی ہے جو ایران کے افق پر طلوع ہوا مگر بہت جلد اور وقت سے پہلے غروب ہو گیا۔

ہم لوگوں نے ایک ایسے مختصر خانوادہ میں زندگی بسر کی ہے جس کا

تعلق علماء شیعۂ ایران سے تھا۔ مجھ میں اور میرے بھائی مجتبیٰ میں بڑا فرق تھا۔ وہ ہمارے حقیقی بھائی تھے ، ہمارا جز تھے مگر ہم میں سے نہ تھے یعنی ہم لوگوں سے بالکل علیحدہ قسم کے آدمی تھے۔ بچپن ہی سے ان کے اندر ہونہاری کے آثار نمایاں تھے۔ وہ اکثر تنہائی میں بہت دیر تک غور و فکر کیا کرتے تھے۔ ان کی فکر کا مرکز دین اسلام تھا اور ہمہ وقت وہ اسی کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت مسجد اور دینی کاموں میں صرف ہوا کرتا تھا۔ وہ نجف سے اس لئے واپس آئے تھے کہ کسروی کی اصلاح کریں اور اگر وہ راہ راست پر نہ آئے تو اس سے نبرد آزمائی کرکے اس کا کام تمام کردیں۔ ہم لوگوں کو ان کے پروگرام کے بارے میں تھوڑا بہت معلوم ہوجایا کرتا تھا۔

ہماری والدۂ مرحومہ مخصوص عقائد والی خاتون تھیں۔ اور ان عقائد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہ بہت سے مذہبی اشخاص کی خدمت میں تشریف لے گئیں کہ فالنامے کی مدد سے وہ نواب صفوی کی زندگی کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرسکیں۔

والدۂ گرامی ان لوگوں سے کہا کرتی تھیں میرا ایک لڑکا ہے جس کا نام سید مجتبیٰ ہے اور اس کی چند علامتیں یہ ہیں۔ میں اس بچے کی آئندہ زندگی کے بارے میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں۔ وہ لوگ میری والدہ سے کچھ اور سوال کرتے۔ پھر اپنی فالنامے کی کتاب دیکھتے۔ اور بعد میں میری والدہ سے یہ کہہ دیا کرتے کہ صاحبزادہ کو اپنے ساتھ لے کر آئیے تو کچھ بتایا جاسکتا ہے۔ آپ اپنے صاحبزادہ سے یہ کہہ دیجئے کہ میں ان کی زیارت کا شائق ہوں۔

دراصل میں ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔

اس وقت میری عمر تقریباً ۲۱ برس تھی اور میں اس قسم کی چیزوں پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ قالنامے کی باتوں میں حقیقت ہوا کرتی ہے۔

ان مرحوم مذہبی عالم نے میری والدہ سے کہا۔ محترمہ! آپ اور تمام وہ لوگ جو اس بچے کو جانتے پہچانتے ہیں انھیں چاہیئے کہ اس کی سلامتی کے لئے دعا کرتے رہیں۔ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ صدقہ بھی نکالا جانا چاہیئے کیونکہ وہ بہت جلد ہی ایسا اہم کام انجام دینے والے ہیں جس کی وجہ سے صرف سرزمین ایران ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ان کا نام روشن ہو جائے گا۔ اور تھوڑے دنوں بعد وہ ایسا کام انجام دیں گے کہ ہمارا کھویا ہوا دین اور علماء دین کی آبرو دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ آپ کا بچّہ اسلام کی حفاظت کیلئے علم بغاوت بلند کرے گا لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ یہ درخشندہ ستارہ جلد ہی چھُپ جائے گا۔ اور اسلام کے دشمن اس کا کام تمام کر دیں گے۔ اسی وجہ سے آپ لوگوں سے استدعا کرتا ہوں کہ ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ دعا کرتی رہیں۔

اس وقت تو یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ تمام باتیں بالکل سچی تھیں۔ بہر حال جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ وہ ایک جلد ہی اوجھل ہو جانے والے چمکدار ستارہ کی طرح سے تھے۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ دین اسلام کے ایک ستون محکم کی حیثیت رکھتے۔

شاہی فوج کا ایک خائن افسر جو دین کی حقیقت سے قطعی ناواقف تھا نواب صفوی پر طرح طرح کے مصائب ومظالم ڈھانے کے بعد ایک دن اس طرح کہنے لگا کہ درحقیقت نواب صفوی دین اسلام کے محکم ستون تھے لیکن افسوس کہ ہم لوگ ان کی قدر نہ کر سکے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے نوجوان لڑکے فدائیان اسلام اوران کے رہبر نواب صفوی کی اسلامی خدمات سے بہت کم واقف ہیں۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ اس سلسلے کی تمام معلومات زیادہ سے زیادہ فراہم کیجائیں تاکہ مجاہدین اسلام کے کارنامے ہمیشہ باقی رہ جائیں اور ہماری آئندہ نسل ان سے سبق حاصل کر سکے۔

فدائیان اسلام کو نام ونمود اور شہرت ومقبولیت کی قطعی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ اسلام دشمن عناصر کے قتل کے سلسلے میں بھی اعلانیہ بیان جاری کیا کرتے تھے۔ اور نہایت مردانگی اور ہمت کے ساتھ پہلے اس شخص سے گفتگو کرتے تھے اور یہ کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح وہ راہ راست پر آجائے۔ پھر بھی اگر وہ راہ ہدایت اختیار نہ کرتا تو یہ لوگ اس کا کام تمام کر دیتے تھے۔

مثلاً ان دنوں وزیر اعظم اور دیگر اعلیٰ عہدیداران حکومت کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور فدائیان اسلام ان لوگوں سے باقاعدہ جھگڑا کرتے تھے۔ ان کی لڑائی خفیہ طریقے سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اعلانیہ طور پر یہ کہہ دیا کرتے تھے فلاں مسجد یا فلاں اجتماع میں ہم تمہاری اسلام دشمنی کا مزہ چکھا دیں گے۔

فدائیان اسلام کو شاہی فوج اور جلاد صفت افسروں کا قطعی خوف نہ تھا۔ اگر یہ تنہا بھی ہوتے تھے تب بھی محافظین کے بھرے مجمع میں وہ اس آدمی کو نہایت معمولی اسلحے کے ذریعہ ختم کر دیتے تھے۔ اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ خراب اسلحے عین وقت پر دھوکہ دے گئے۔ مگر ان لوگوں کے حوصلے پست نہیں ہوتے۔

یہ لوگ صرف فدائی اسلام کی حیثیت سے کام نہیں کرتے تھے بلکہ انؒ کی تمام سرگرمیاں خوشنودئ پروردگار کے لئے ہوا کرتی تھیں۔ درحقیقت نواب صفوی ایک ایسے نوجوان شخص تھے کہ اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ بھی ان کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ بختیار جیسے اعلیٰ افسران بھی جب کسی کام سے ان کے پاس آتے تھے تو گفتگو کے دوران ان کے تن بدن میں رعشہ پیدا ہو جاتا اور دوسری طرف خراسان کے مزدور نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ ان سے اپنے مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

فدائیان اسلام کی تشکیل دوسری پارٹیوں جیسی نہ تھی۔ بلکہ نواب صفوی نجف سے ایران تشریف لائے تاکہ کسروی جیسے اسلام دشمن شخص کو یا تو آدمی بنا دیں اور اگر وہ ان کی نصیحتوں پر عمل نہ کرے تو اسے جان سے مار ڈالیں۔ کسروی ایک عالم دین کا لڑکا تھا۔ اس کا باپ تبریز کی ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتا تھا۔ وہ بھی اپنے لڑکے کی اسلام دشمن حرکتوں سے نالاں تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنے والد کے نقش قدم کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ والد کی دلی خواہش تھی کہ اپنے لڑکے کو علم دین سے آراستہ کر کے اسے مجتہد بنا دے

تاکہ وہ اسلام کی کچھ خدمت کر سکے مگر کسروی اسلامی راہ سے بالکل منحرف ہو گیا۔ چنانچہ عالم یہ تھا کہ تبریز کے لوگ کسروی کے والد کا بڑا احترام کرتے تھے مگر کسروی کی حرکتوں سے سبھی لوگ نفرت کرتے تھے۔ ادھر کسروی کا یہ حال تھا کہ وہ دن رات شراب کے نشے میں چور رہا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ ایسی بیہودہ گفتگو کرتا تھا جس سے اسلام کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ اس کی اس حرکت کے خلاف تبریز کے لوگوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اسے تبریز چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

تبریز سے بھاگ کر کسروی نے تہران میں پناہ لی مگر اس کی اسلام دشمن حرکتوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ چونکہ اس نے ایک عرصہ تک علم دین حاصل کیا تھا اور عدالتی مسائل سے بھی واقفیت رکھتا تھا لہٰذا اس کو مقامی عدالت گاہ میں نوکری مل گئی۔

کسروی نے اپنے ارد گرد کچھ نوجوانوں کو اکٹھا کر لیا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ہم لوگ تو ایرانی ہیں ہمارا اسلام سے کیا واسطہ۔ ہمیں نیک کردار اور نیک گفتار ہونا چاہئے۔ اچھی اچھی باتوں پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ بس ہم ایرانیوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اسلام وغیرہ سے ہمارا کوئی مطلب نہیں ہے۔ اس نے اپنے اس خیال کو صرف حلقۂ احباب ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسلام کی رد میں اس نے کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں ایسے دلائل پیش کئے جن سے عام اور کم پڑھا لکھا آدمی اس کے فریب کا شکار ہو جائے۔ لیکن اگر ایک بچہ بھی اس کتاب کا بغور مطالعہ کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ

اس نے بے ہودہ اور بے بنیاد باتوں کو کتاب کی شکل دے دی ہے۔

دھیرے دھیرے اس کی اسلام دشمنی اتنی بڑھ گئی کہ اس نے مذہبی کتابوں کو اعلانیہ جلانا شروع کر دیا اور سننے میں تو یہ بھی آیا تھا کہ خدانخواستہ اس نے کتاب خدا کو بھی نذر آتش کرنا چاہا تھا۔ استغفر اللہ۔ بظاہر اس نے مسلمانوں کے سامنے کئی بار قرآن مجید کی بے حرمتی بھی کی تھی۔

اس کی اسلام دشمنی کا چرچا پورے ایران میں تھا اور دھیرے دھیرے یہ بات نجف اشرف تک بھی پہنچ گئی۔ مرحوم نواب صفوی نے اس کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ اس اسلام دشمن شخص کا بھرپور جواب ضروری ہے۔ انھوں نے یہ طے کیا کہ ہر ممکن کوشش کے ذریعہ اس کو راہ راست پر لایا جائے اور اگر وہ نہ مانے تو پھر اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کسروی گمراہی کے سمندر میں ڈوب چکا تھا۔ اس کے اوپر کسی ہدایت و نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے تو اچھی غذا اور اعلیٰ عہدے کے علاوہ اور کسی چیز کی کوئی پرواہ بھی نہ تھی۔

تہران آنے کے بعد نواب صفوی کا یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ کوئی پارٹی یا جماعت بنائیں بلکہ وہاں پہنچ کر انھوں نے کسروی کی محفل میں بیٹھنا شروع کیا تاکہ اس کی ہدایت کریں۔ اسی زمانے میں نواب صفوی کے ہم کلاس نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ تہران میں موجود تھا۔ یہ سب لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ پس اس طرح سے فدائیان اسلام کی تشکیل عمل میں آگئی۔

کچھ لوگ نواب صفوی کے ساتھ اس وجہ سے آگئے تھے کہ نوتشکیل

جماعت میں انھیں کوئی عہدہ مل جائے گا۔ دھیرے دھیرے نواب صفوی کو اس بات کا علم ہوا کہ کچھ لوگ بلند عہدوں کی غرض سے ان کے ہمراہ کام کرنے آئے ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے نواب صفوی گفتگو کے دوران اکثر یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ آپ لوگوں کو اچھی طرح سے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے اس مملکت کو اسلامی احکام کا پابند بنانے کے لئے اقدام کیا ہے۔ ہمارا قطعی یہ مقصد نہیں ہے کہ ہمیں اونچے عہدے مل جائیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ایک دن ہمارا یہ ملک اسلامی ملک ہو جائے۔ جس دن ہماری یہ خواہش پوری ہو جائے گی ہم لیموں فروشی کا کام شروع کر دیں گے اور آپ لوگوں سے بھی ہماری یہی استدعا ہے کہ کسی خاص فائدہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کام نہ کریں۔ اسلامی مشن میں کامیابی کے بعد کسی قسم کے ذاتی مفاد کو نگاہ میں رکھنا بے سود ہے۔

کسروی کے قتل کے بعد نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ فدائیان اسلام کی گرفتاری کے بعد بیشمار مسلمانوں نے ایک احتجاجی جلسہ کیا اور حکومت پر دباؤ ڈالا کہ نواب صفوی اور دوسرے فدائیان اسلام کو جلد از جلد چھوڑ دیا جائے ورنہ ملک میں بغاوت پھیل جائے گی۔ آخر کار حکومت نے بدرجہ مجبوری ان لوگوں کو آزاد کر دیا۔ پہلوی حکومت ایک اسلامی ملک پر حکمرانی کر رہی تھی مگر عوام کو اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ حکمراں طبقہ دین کا مخالف ہے۔ اور ان کا کوئی عمل اسلامی قوانین کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ان کے اعمال و افکار سے

اسلام کی بدنامی و رسوائی ہوتی ہے۔ پورے ملک میں فحشیات و فسادات کا دور دورہ تھا۔ کمزور اور پسماندہ عوام پر حکومت سے کئے جاتے والے مظالم میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ شراب نوشی نے عام رواج حاصل کر لیا تھا۔ برطانیہ اور اس کے بعد امریکہ کا اثر و رسوخ پورے ملک میں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ نواب صفوی ان حالات کو بالکل برداشت نہ کر سکے اور فیصلہ کیا کہ چاہے جو کچھ ہو جائے مگر اس حکومت کا تختہ پلٹنا ہے۔ اور اسلامی ملک میں اسلام کی حاکمیت کا معقول انتظام کرنا ہے چاہے اس راہ میں شہادت سے ہی کیوں نہ ہمکنار ہونا پڑے۔ مگر حقیقت یہ ہے نواب صفوی کی اقتصادی حالت اچھی نہ تھی اور کسی کے آگے ہاتھ بھی نہیں پھیلانا چاہتے تھے۔ خاندانی اعتبار سے بھی ہم لوگوں کی معاشی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ میرے والد بھی مجاہدانہ صفات کے حامل تھے۔ شاہی حکومت کے وزیر انصاف سے ایک مرتبہ ان کی مار پیٹ ہو گئی۔ اس وزیر کا نام داور تھا۔ اس جھگڑے کے بعد میرے والد کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور ہماری تمام ملکیت کو تباہ و برباد کر ڈالا گیا۔ شاہی وزیر نے ہمارا مکان غصب کر لیا اور ہم لوگ بے گھر ہو گئے۔

نواب صفوی کے مشورہ کے مطابق میں والدہ اور ہمشیرہ کو لے کر شیراز چلا گیا تھا اور گرمی کے زمانے میں اکثر مرحوم سے ملنے کے لئے تہران آجایا کرتا تھا۔ وہ خود بھی میدان خراسان نامی محلے میں ایک کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ خیابان ری نامی محلے میں ایک دوست کے مکان میں رہنے لگے۔ لیکن کرایہ زیادہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے وہ مکان

جلد ہی چھوڑ دیا اور بعد میں وائر لیس روڈ پر ایک مکان لے لیا۔ وہاں بھی ظالم شاہی حکومت کے جلادوں نے چین سے نہ رہنے دیا۔ آخرکار انھیں وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد انھوں نے محلّہ دولاب میں ایک مکان لے لیا اور وہاں کافی دنوں تک مقیم رہے۔ زیادہ تر فدائیان اسلام کی میٹنگ وغیرہ نواب صفوی کے اسی مکان پر ہوا کرتی تھی۔

اسی زمانے میں نواب صفوی کو اپنے چنگل میں پھنسانے کی غرض سے شاہی غلاموں نے انھیں رشوت کے طور پر بھاری رقم پیش کی۔ مگر نواب صفوی نے ان لوگوں کو یہ کہہ کر بھگا دیا کہ اسلام کے متوالے کو دولت کے ذریعہ نہیں خریدا جاسکتا۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ نوٹوں سے بھری ہوئی اٹیچی نواب صفوی نے شاہی دلالوں کے منہ پر ماردی۔ اور کہا کہ آئندہ ادھر نہ آنا۔

وائرلیس روڈ پر قیام کے دوران نواب صفوی نے اپنے پڑوسیوں کے درمیان تبلیغ دین کے سلسلے میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ اور عالم یہ تھا کہ جب نواب صفوی اس راہ سے گذرتے تھے تو لوگ ادب و احترام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جنھیں شاہی حکومت سے محبت تھی نواب صفوی کے سامنے خود کو بہت متقی و پرہیزگار مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اگر اس سڑک سے کوئی بے پردہ عورت گذر رہی ہوتی تھی تو اسے لوگ اپنی دوکان میں چھپا لیا کرتے تھے کہ کہیں نواب صفوی کی نظر نہ پڑ جائے۔

محمد رضا پہلوی کا بھائی علی رضا ایک کثیف اور بدکار آدمی تھا۔ وہ

مسلمانوں کے ناموس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ پاکدامن اور معصوم لڑکیوں کو کسی بہانے سے اغوا کرلیا جاتا تھا اور بعد میں وہ لڑکیاں علی رضا کی ہوس کا شکار ہوجاتی تھیں۔
ایک روز نواب صفوی اس راستے سے گذر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ علی رضا اور اس کے دو ساتھی ایک معصوم لڑکی کا تعاقب کر رہے ہیں۔ محلّے کے دو نوجوان لڑکے یہ ماجرہ دیکھ رہے تھے مگر ڈر کی وجہ سے وہ کچھ بول نہیں پاتے تھے۔ نواب صفوی کو دیکھ کر ان کی ہمت بڑھ گئی۔ اور قریب آکر نواب صفوی سے سارا واقعہ بیان کردیا۔ وہ آگے بڑھے تو کیا دیکھا کہ علی رضا کا ڈرائیور اس لڑکی سے بات کر رہا ہے۔ نواب صفوی نے گاڑی کے قریب جاکر اس لڑکی سے کہا تم فوراً اپنے گھر جاؤ۔ یہ دیکھ کر علی رضا گاڑی سے نیچے اتر آیا اور نواب صفوی سے کہنے لگا "آخر تم نے اس لڑکی کو کیوں بھگا دیا۔ تم سے کیا مطلب؟" یہ سنتے ہی نواب صفوی نے اس کے منہ پر ایک بھرپور وار کردیا۔ یہ دیکھتے ہی گاڑی کا ڈرائیور اور علی رضا کے دونوں دوست گاڑی کے اندر ہی چھپ کر بیٹھ گئے۔ ویسے نواب صفوی ایک دبلے پتلے آدمی تھے لیکن روحانی طاقت نے انھیں اتنا طاقت ور بنا دیا تھا کہ دشمنان اسلام ان کا چہرہ دیکھ کر کانپنے لگتے تھے لیکن ان پر غیر معمولی رعب طاری ہوجاتا تھا۔

مختصر یہ کہ نواب صفوی نے علی رضا سے کہا "میں نے آج پہلی بار دیکھا ہے کہ تو ایک معصوم لڑکی کی عزّت سے کھیلنا چاہتا ہے۔ خیر اس وقت تو میں تجھے چھوڑے دے رہا ہوں۔ لیکن اگر آئندہ تو نے ایسی حرکت کی تو میں تیرے ساتھ جو سلوک کروں گا وہ تجھے اچھی طرح معلوم ہے۔" یہ کہتے ہوئے نواب صفوی

تے ایک زوردار لات رسید کردی۔ علی رضا بھاگتا ہوا اپنی گاڑی کے قریب پہنچا۔ ڈرائیور نے اسے گاڑی پر بیٹھایا اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی لیکر بھاگ کھڑا ہوا۔

نواب صفوی کی ہمیشہ یہی کوشش تھی کہ عوام اور مذہبی علماء کے درمیان گہرے تعلقات برقرار رہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ علماء کی بے احترامی کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اور دونوں مل کر منحوس پہلوی حکومت کے خلاف جد و جہد میں لگ جائیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے مختلف علماء سے گفتگو بھی کی۔ علماء سے بات چیت کے دوران اکثر کہا کرتے تھے۔ "آپ لوگوں نے پیغمبرِ اسلام کا لباس پہن رکھا ہے لہٰذا کوشش کیجئے کہ آپ کا اخلاق اور کردار بھی آنحضرتؐ جیسا ہو جائے۔ شہادت آپ لوگوں کے لئے باعث افتخار ہونی چاہیئے۔"

ملک میں اسلامی انقلاب لانے کا ارادہ کرنے کے بعد نواب صفوی نے پورے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے مشہد، فارس، اصفہان اور دیگر مقامات کا سفر کیا تاکہ لوگوں میں انقلاب کی لہر دوڑا سکیں۔

ہمارے دوسرے بھائی سید ہادی کا تعلق بھی فدائیان اسلام سے تھا۔ وہ شاہی حکومت کے خلاف کی جانے والی اسلامی جد و جہد میں برابر کے شریک تھے۔ چھ برس تک وہ قید خانے میں غیر انسانی سزائیں جھیلتے رہے۔ اور پچھلے سال ان کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم شہید سید عبد الحسین واحدی، مرحوم شہید سید محمد واحدی، مرحوم شہید طہماسبی، مرحوم مظفر ذو القدر اور دوسرے کچھ لوگ جن

کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں ہے، فدائیان اسلام کے سرگرم کارکن تھے۔ ان لوگوں نے راہِ اسلام میں بڑے مصائب جھیلے ہیں اور قید خانے کی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ابھی بقید حیات ہیں۔

مرحوم نواب صفوی اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہا کرتے تھے۔ اپنے ملک گیر دورہ کے دوران انھوں نے مختلف مقامات پر زبردست تقریریں کیں اور وہاں کے علماء سے گفتگو کے دوران انھیں اسلامی انقلاب لانے کی دعوت بھی دی۔ ان کی تقریر کا انداز ایسا تھا کہ ہر سننے والا ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ وہ ہمہ وقت نہایت جالب و جاذب انداز بیان کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اپنی تقریر کے دوران وہ پہلوی حکومت کی خیانت کاریوں اور بدعنوانیوں پر اعلانیہ روشنی ڈالتے تھے۔ پہلوی خاندان کے مظالم کو بے نقاب کرتے ہوئے انھیں ذرہ برابر خوف نہیں ہوتا تھا۔ وہ لوگوں سے یہی مطالبہ کرتے تھے کہ اسلام کی حاکمیت کے لئے اسلام دشمن شاہی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ مجھ سے ملنے کے لئے شیراز تشریف لائے۔ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھنے کے بعد وہ شیراز کے ممتاز عالم سید نورالدین کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گفتگو کے دوران نواب صفوی نے انھیں اپنی اسلامی تحریک اور دیگر منصوبوں سے باخبر کیا۔ سید نورالدین شیراز کے جلیل القدر عالم دین تھے۔ انھوں نے شیراز میں حذب برادران اسلامی کی تشکیل کی تھی۔ نواب صفوی کی گفتگو سے وہ بہت متاثر ہوئے اور علاقے کے دیگر علماء

کے پاس خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا کہ ایک باصلاحیت اور دینی علوم میں اچھی مہارت رکھنے والے نوجوان سیّد نے ظالم حکومت کے خلاف پرچم اسلام بلند کر رکھا ہے۔ اور اس کے پرچم پر یہ عبارت کندہ ہے "الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" پرچم کے ایک گوشے میں ھو العزیز بھی لکھا ہوا ہے۔ پس آؤ ہم لوگ انکی حمایت میں لگ جائیں۔ ان حالات میں ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہئے بلکہ ایسے وقت میں ہمیں وہ کام انجام دینا چاہئے جس کی وجہ سے امام زمانہ ہم سے خوش ہو جائیں"

ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ نواب صفوی کی عمر بہت کم تھی لہٰذا وہ جو کچھ بھی کرتے تھے کچھ لوگوں کو یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ ایک کم عمر نوجوان بھی ایسے اہم کام انجام دے سکتا ہے۔

بہرصورت مرحوم نواب صفوی کا ہمیشہ تعاقب کیا جاتا تھا پھر بھی وہ بغیر کسی خوف ہراس کے اپنی اسلامی سرگرمیوں میں لگے رہتے تھے۔ انھیں اس کی پرواہ بھی نہ تھی۔ حکومت اور جلاد صفت افسران ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

نواب صفوی بوڑھے اور کمزور لوگوں سے بڑی محبت کرتے تھے اور انکی ہر ممکن مدد کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت فروتنی اور انکساری سے پیش آتے تھے لیکن طاقت پر گھمنڈ کرنے والوں، خیانت کاروں اور ظلم و ناانصافی کا برتاؤ کرنے والے لوگوں سے ان کی سخت عداوت تھی۔ اور ان لوگوں کا بھر پور مقابلہ بھی کرتے تھے۔ اگر انھیں معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی مذہبی عالم کے ساتھ حکومت کے لوگ زیادتی کر رہے ہیں تو فوراً ہی اس عالم دین کی مدد کے لئے پہنچ جایا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آقائے اسلامی کے گھر والے نواب صفوی کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ شاہی پولیس افسران انھیں گرفتار کر لے گئے۔ نواب صفوی نے فوراً ہی بختیار کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آقائے اسلامی کو فوراً اسی وقت رہا کردو ورنہ ٹھیک نہ ہوگا۔ بختیار ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی نواب صفوی سے بہت خوف زدہ رہا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی آقائے اسلامی کی آزادی کا حکم صادر کردیا۔

نواب صفوی ہمیشہ وزیراعظم اور کابینہ کے دیگر وزیروں کو یہ لکھتے رہتے تھے کہ اسلام کا راستہ اختیار کرو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو میدان چھوڑ کر الگ ہٹ جاؤ۔ اگر تم نے ظالم شاہ کی کٹھ پتلی کی حیثیت سے اپنی غیر اسلامی حرکتیں جاری رکھیں تو اس کا انجام بھی تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ وہ صرف دھمکی ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اپنی بات کا عملی جامہ بھی پہناتے تھے۔ رزم آرا اور ہژیر کا قتل اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ صرف دھمکی سے کام نہیں لیا کرتے تھے۔ نواب صفوی کی زندگی کا زیادہ حصّہ قید خانہ میں بسر ہوا کرتا تھا۔ ان کی گرفتاری کے بعد نصف قید خانہ بالکل خالی کردیا جاتا تھا اور اس میں صرف نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں کو رکھا جاتا تھا تاکہ دوسرے قیدیوں سے تعلقات قائم کر کے کہیں انھیں بھی اپنا ساتھی نہ بنالیں۔

ایک بار کچھ لوگ فدائیان اسلام سے ملاقات کی غرض سے قید خانہ گئے اور قید خانے کے اندر ہی ان لوگوں نے فدائیان اسلام کی آزادی کیلئے ہڑتال شروع کردی تھی۔ جب ہم ان سے ملاقات کے لئے جاتے تھے تو وہ ہم لوگوں

کو رخصت کرنے کے لئے قید خانہ کے باہری پھاٹک تک آیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی تو وہ ہم لوگوں کو چھوڑنے کے لئے قید خانے کے باہر بھی چلے آتے تھے مگر انھیں کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ ایک دو مرتبہ تودہ پارٹی کے کمیونسٹوں نے قید خانے میں نواب صفوی کی کچھ بے احترامی کی تھی اس کے باوجود ایک دن لوگوں نے ان کو اطلاع دی کہ تودہ پارٹی کے لوگوں کی پٹائی کرنے کے لئے قید خانے کے سپاہی اندر آچکے ہیں۔ نواب صفوی یہ سن کر بے چین ہو گئے اور کہنے لگے " خیر کوئی بات نہیں ان لوگوں نے نادانی تو ضرور کی ہے مگر پھر بھی ہمارے بھائی ہیں۔ آؤ چلو ان کی کچھ مدد کریں۔ مختصر یہ کہ اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے نواب صفوی تودہ پارٹی کے قیدیوں کی امداد کے لئے ان کے پاس پہنچ گئے۔ جیل کے سپاہیوں کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ فدائیان اسلام ان سے لڑنے کے لئے آرہے ہیں تو وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ نواب صفوی نہایت بہادر اور رحم دل انسان تھے۔ ان کی باتوں میں بڑا اثر تھا اور انھوں نے اسلام کی حاکمیت اور پرچم اسلام کی سربلندی کے لئے قیام کیا تھا۔

نواب صفوی کے ایک دوست
برادر حسین اکبری سے گفتگو

میں نے دین خدا کے تحفظ کی خاطر قیام کیا ہے اور
شہادت کے لئے ہمہ تن آمادہ ہوں۔
نواب صفوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال:- بھائی حسین اکبری صاحب! آپ نواب صفوی کے ساتھ کب اور کیسے آئے اور آپ نے تنظیم فدائیان اسلام کی کیا اہم خدمات انجام دی ہیں؟

جواب:- ھوالعزیز۔ دراصل شروع میں نواب صفوی سے میری کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ایک روز وہ میرے ایک دوست میرزا خلیل کمرہ ای کے گھر تشریف لائے تھے۔ وہاں سے انھوں نے میرے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ تمہارے گھر آنا چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا بہتر ہے آپ ضرور تشریف لائیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ میں انھیں اپنے ہمراہ گھر لا یا۔ اسی زمانے میں وہ نجف سے واپس آتے تھے۔ یہ کسروی کے قتل سے پہلے کی بات ہے۔ مسجد صدریہ کے پیش نماز شیخ محمد تہرانی سے نجف میں میری بڑی گہری دوستی تھی۔ نواب صفوی ہم لوگوں سے ملاقات کے بعد نجف گئے تھے، اور وہاں کسروی

کی کتابیں دیکھ کر ان کی غیرت اسلامی جاگ اٹھی۔ پھر انھوں نے شیخ محمد تہرانی کے استاد آقا محمد حسین سے مشورہ کیا تو انھوں نے حکم دیا کہ کسروی نے اپنی کتابوں میں رسولؐ مقبول اور امام جعفر صادقؑ کی شان میں جو گستاخی اور بے ادبی کی ہے اور اسلام کے خلاف جو خرافات باتیں لکھی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ واجب القتل ہے۔ چنانچہ نواب صفوی نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ تہران جا کر وہ کسروی کو آدمی بنانے کی کوشش کریں گے اور اگر وہ اپنی اسلام دشمنی سے باز نہ آیا تو اسے قتل کر ڈالیں گے۔

تہران آنے کے بعد انھوں نے شیخ محمد تہرانی سے ملاقات کی اور ساری بات ان کے سامنے پیش کر دی۔ چنانچہ شیخ محمد طہرانی نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی۔

تہران میں نواب صفوی کافی دنوں تک ریوالور تلاش کرتے رہے۔ آخر کار انھیں مطلوبہ اسلحہ حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کسروی کے گھر گئے اور گفتگو کے دوران انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ اپنی نادانی پر شرمندہ ہو کر راہ راست پر آ جائے۔ مگر اس نے نواب صفوی کی بات نہ مانی اور اپنی غیر اسلامی حرکتیں جاری رکھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کسروی اپنی مجلس میں نوجوان لڑکے لڑکیوں اور بے پردہ عورتوں کو بلا کر انھیں طرح طرح سے گمراہ کیا کرتا تھا۔

نواب صفوی نے فیصلہ کیا کہ کسروی کو جان سے مار ڈالا جائے۔

ایک روز کسروی اپنے ایک دوست حداد پور کے ساتھ سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ نواب صفوی نے ریوالور نکالا اور کسروی پر فائر کر دیا۔ گولی کسروی کے شانے پر لگی۔ اس کے بعد اس کے ساتھی حداد پور نے نواب کے ہاتھ سے پستول چھین

لینا چاہا۔ نواب نے معمولی مزاحمت کے بغیر پستول اس کے حوالے کر دیا۔

ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔ پولیس آ گئی۔ حداد پور کہنے لگا کہ نواب صفوی نے پستول سے کسروی پر گولی چلائی ہے۔ نواب صفوی نے پولیس والوں سے کہا۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے کہ پستول کس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں ہے تو میں نے فائر کیا ہے اور اگر اس کے ہاتھ میں ہے تو فائرنگ میں کیسے کر سکتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہوئی تھی کہ حداد پور نے میرے اوپر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ فائرنگ کی آواز سن کر میں اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو گولی کسروی کے شانے پر جا لگی۔ بہر حال تھوڑی دیر بحث مباحثہ کے بعد پولیس والے دونوں آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ تھانے پر جا کر پھر باز پرس کی گئی اور نواب صفوی کو آزاد کر دیا گیا۔ یہ پہلی بار کی بات ہے جب نواب صفوی کا حملہ ناکامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد نواب صفوی اور کسروی کے موضوع پر ہر جگہ چرچا ہونے لگا۔ میں نے سوچا آخر یہ نواب صفوی کون صاحب ہیں؟ دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ میں دو ایک مرتبہ ان کے گھر بھی گیا۔ میرے گھر کے قریب آقائے انصار یانی کا مکان تھا جو اخباروں میں اسلامی موضوعات پر مضامین لکھا کرتے تھے۔ انھیں کے مکان پر میری نواب صفوی سے تفصیلی ملاقات و گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ میں تمہارے گھر آنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا شوق سے تشریف لائیے۔

پہلی رات میں انھیں اپنے گھر نہیں لایا بلکہ اپنی سسرال لے گیا اور ان لوگوں سے کہا کہ ایک سید ہیں جن کا نام حسنی ہے مشہد سے تشریف لاتے ہیں۔ دو چار روز آپ کے یہاں قیام کریں گے۔ ان لوگوں نے کہا کوئی بات نہیں یہاں انھیں

کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ تقریباً پندرہ سولہ روز بعد ایک دن میرے سسر نے مجھ سے کہا۔ حسین آقا! جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ صاحب سید مجتبیٰ نواب صفوی ہیں اور تم نے انھیں مشہد کا رہنے والا حسنی نامی شخص بتایا ہے۔ میں نے ان سے حقیقت بیان کردی۔ انھوں نے کہا خیر کوئی بات نہیں۔ نواب صفوی نے اسی مکان میں فدائیان اسلام نامی کتاب لکھنا شروع کی تھی۔

جس زمانے میں وہ میرے گھر پر مقیم تھے دروازے سے کوئی فقیر مایوس نہیں لوٹنے پاتا تھا۔ اور انھوں نے اپنا لباس بھی فقیر کو دے دیا۔ کچھ دنوں بعد کتاب تیار ہوگئی۔ معاشی اعتبار سے میں ان کی خاطر داری نہیں کر پاتا تھا۔ لہٰذا میں انھیں اپنے ایک دوست کے گھر لے گیا اور ان سے درخواست کہ میرے ایک نوجوان ساتھی ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اپنا کمرہ کچھ دنوں کے لئے انھیں دیدیں تو بڑا احسان ہوگا۔ انھوں نے میری بات مان لی۔ کتاب تو پہلے ہی تیار ہوچکی تھی صرف طباعت کا کام باقی تھا۔ غرضکہ نواب صفوی اس کمرے میں منتقل ہوگئے۔

نواب صفوی کو روپئے کی سخت کمی تھی۔ انھوں نے آقائے جعفری کے لڑکے کو ایک درباری ڈاکٹر کے گھر بھیجا کہ اسے بلا لاؤ۔ ڈاکٹر فوراً ہی آگیا۔ حکومت کے ڈر کی وجہ سے اس نے اپنی کار نواب صفوی کے کمرے سے کچھ فاصلے پر کھڑی کی اور خفیہ طریقے سے وہ نواب صفوی کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

کچھ دیر تک نواب صفوی اس ڈاکٹر کو نصیحتیں کرتے رہے۔ اسے یہ سمجھاتے رہے کہ اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کو چاہئے کہ وہ تبلیغ اسلام کے لئے حتی الامکان

کوشش کرتے رہیں تاکہ اس ملک میں اسلام کی حاکمیت ہو جائے۔ چلتے وقت اس ڈاکٹر نے نواب صفوی کی خدمت میں پانچ ہزار روپئے پیش کئے۔ اس وقت کتاب کی اشاعت کے لئے انھیں روپئے کی ضرورت تھی لہٰذا انھوں نے وہ رقم قبول کرلی۔ دوسری رات جو لوگ بھی نواب صفوی سے ملنے آئے انھوں نے اس رقم میں سے تھوڑا تھوڑا روپیہ سب لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کردیا۔ میں نے ان سے کہا۔ آپ نے یہ روپیہ اس لئے قبول کیا تھا کہ کتاب کی اشاعت کا کام پورا ہو جائے گا۔ اور اب آپ اسے لوگوں میں تقسیم کئے دے رہے ہیں۔ اب آپ کے پاس تیس چالیس روپیہ سے زیادہ نہ بچا ہو گا۔ نواب صفوی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ خداوند عالم کریم ہے وہ پھر کہیں سے روپئے کا انتظام کردے گا۔ مختصر یہ کہ وہ کتاب چھپ گئی۔ نواب صفوی، ہم اور ہم لوگوں کے کچھ دوست آقائے نصاریان کے گھر پر جمع ہوئے۔ قرآن خوانی کی محفل تھی۔ ہم لوگوں نے وضو کیا۔ کچھ دیر تلاوت قرآن کے بعد ہم سبھی لوگوں نے قرآن مجید کے پشت پر اپنے دستخط کئے اور یہ عہد بھی کیا کہ جہاں کہیں کسروی ملے گا اسے زندہ نہ چھوڑیں گے۔

پہلے ہم لوگوں نے اپنے گھر والوں سے گفتگو کی۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں کچھ دنوں تک گھر واپس نہ آؤں تو پریشان نہ ہونا کیوں کہ میں ایک ضروری کام سے باہر جانے والا ہوں۔ ہم لوگوں نے شاپوئی کلاہ پہنی اور داڑھی مونڈی۔ میری بیوی نے کہا کہ بہت دنوں کے بعد آپ نے شاپوئی کلاہ پہنی ہے اور داڑھی بھی صاف کرڈالی ہے۔ آخر بات کیا ہے؟ میں نے ان سے کہا۔ دیکھو ہم لوگوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک کسروی کو جان سے نہ مار ڈالینگے

چین نہ لیں گے چاہے ہم لوگ اس راہ میں شہید ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ میری باتیں سن کر وہ بے چین ہو گئیں۔ میں نے کسروی کی لکھی ہوئی کتاب "پیرامون اسلامش" نکالی اور اپنی زوجہ سے درخواست کی کہ ذرا اسے پڑھ کر تو دیکھو۔ اس دشمن اسلام نے امام صادقؑ کی شان میں کیا کیا گستاخیاں کی ہیں۔ کتاب کی عبارت کو دیکھنے کے بعد کہنے لگیں۔ تم شوق سے جاؤ اور اگر اس راہ میں شہید بھی ہو گئے تو میں تمہارے بچّوں کی پرورش کر لوں گی۔ لیکن صرف ایک ہی خواہش ہے کہ اس کار خیر کے عوض جو اجر ملے گا اس میں ہمیں بھی شریک کر لو گے۔

ہم لوگوں کے پاس کوئی پستول یا دوسرا اسلحہ نہ تھا۔ بہرصورت ہم لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے ایک اسلحہ تیار کیا۔ ہفتہ کی رات میں کسروی اپنے گھر پر اجلاس کیا کرتا تھا اور اس اجلاس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو گمراہی کا درس دیا کرتا تھا۔ خداوند عالم سید حسین امامی، سید علی امامی، آقائے جوادی اور آقائے جواد منظفریان پر رحمت کرے کہ یہ سب لوگ پہلے ہی سے کسروی کے شاگردوں میں شامل ہو چکے تھے۔ کسروی کو پہلے ہی سے احساس ہو چکا تھا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے کمرے میں لوگوں کے بیٹھنے کا کچھ ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس پر حملہ نہ کیا جا سکے۔ سامنے والی کرسیوں پر نوجوان لڑکیاں، ان کے پیچھے عورتیں اور سب سے آخر میں مردوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ کچھ دنوں تک جب ہم لوگ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے تو ہم لوگوں نے ایک بیان جاری کر کے حکومت سے مطالبہ کیا کہ کسروی جیسے اسلام دشمن شخص پر عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ دراصل شاہ اور اس کی حکومت کو اسلام سے کوئی واسطہ

نہ تھا لیکن چونکہ اس نے پارلیامنٹ کے اجلاس میں یہ قسم کھائی تھی کہ میرا مذہب جعفری ہے اور میں جعفری شریعت کا پیرو ہوں۔

ان باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم لوگوں نے آیۃ اللہ طالقانی سے مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارے پاس اس بیان کی اشاعت کے لئے روپیہ نہیں ہے۔ انھوں نے ہمیں روپیہ دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ اسے فوراً شائع کرا دو۔ ہم لوگوں نے اس مضمون کا بلاک بنوایا اور اطلاعات پریس میں جا کر اسے چھپوانے کی بات کی۔ پریس منیجر نے کہا کہ ہزار پوسٹر کی طباعت پر پیسہ زیادہ خرچ ہوگا۔ ہم لوگوں نے اس کی منہ مانگی رقم اس کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا تم اسے جلد از جلد چھاپ دو۔ روپیہ ہاتھ میں آتے ہی اس نے پریس والوں کو ہمارے کام پر لگا دیا۔

پروگرام کے مطابق ہمارے ساتھی لفافہ پہلے ہی تیار کئے بیٹھے تھے۔ ان لفافوں پر پارلیامنٹ کے ممبروں اور کابینہ کے وزیروں کے نام لکھے ہوئے تھے اور لفافے کی پشت پر فدائیان اسلام کا نام لکھا ہوا تھا۔ ہم لوگ لفافہ لئے ہوئے پریس پہنچے۔ پوسٹر چھپ کر تیار ہو چکا تھا۔ اتنے میں پریس کا مالک عباس مسعودی آ گیا اور اپنے منیجر کو ڈانٹنے لگا کہ تم نے اس پوسٹر کو کیوں چھاپا۔ مختصر یہ کہ پوسٹر کو لفافوں میں رکھ کر متعلقہ آدمیوں تک بھجوا دیا گیا۔ پھر ہم لوگوں نے کچھ پوسٹر میدان امام کی دیواروں پر چسپاں کر دیئے۔ اس پوسٹر میں ہم لوگوں نے مطالبہ کیا تھا کہ کسروی پر عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

ایک روز ہم لوگ قاری قرآن آقا شیخ مہدی کے گھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

آپس میں یہ طے کیا گیا کہ پہلے بیان سے ملتا جلتا ایک دوسرا بیان شائع کیا جائے۔ اور اگر حکومت پھر بھی متوجہ نہ ہو تو کسروی کے سلسلے میں کوئی دوسرا پروگرام تیار کیا جائے۔

غرضکہ دوسرا پوسٹر تیار کیا گیا اور سارے شہر میں لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مجھ کو اور حسن اسماعیلی کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ دروازہ شمیران سے لے کر پارلیامنٹ ہاؤس کی تمام دیواروں پر یہ پوسٹر چسپاں کر دوں۔

ایک سپاہی نے اسماعیل کو گرفتار کر لیا۔ اور انھیں پولیس اسٹیشن کی طرف لے کر جانے ہی والا تھا کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور بولا، بھائی انھیں چھوڑ دو۔ ان کی کوئی خطا نہیں ہے۔ دراصل یہ پوسٹر میں نے چھپوایا ہے۔ اگر تمھیں گرفتار ہی کرنا ہے تو مجھے گرفتار کرو۔ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے دوکان کی کنجی اور دوسرے ضروری سامان اسماعیلی کو دے دیئے۔ ان لوگوں نے آقائے اسماعیلی کو آزاد کر دیا اور ہمیں ایک جیپ میں بٹھا کر وہ لوگ تھانے لے آئے۔ تھانیدار نے مجھ سے پوچھا بتاؤ یہ پوسٹر تمھیں کس نے دیا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ مجھے آقا شیخ مہدی نے دیا ہے۔ اس نے کہا کہ شیخ مہدی کو حاضر کرو۔ میں نے کہا وہ میری مٹھی میں تو نہیں ہیں کہ انھیں تمہارے سامنے پیش کر دوں۔ بازار کے دوسرے دوکانداروں نے میری ضمانت لے لی اور کہا انھیں چھوڑ دو۔ یہ آقا شیخ مہدی کو ڈھونڈ لائیں گے۔

مختصر یہ کہ ان لوگوں نے ہماری بات مان لی۔ اسی اثنا میں نواب صفوی تھانے کے اندر داخل ہوئے۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ وہ جواب

دینے کے بعد تھانہ انچارج کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اور اس کے سامنے جا کر نہایت غصیلی آواز میں چلاتے ہوئے پوچھا۔ آخر آقائے اکبری نے کیا جرم کیا ہے کہ تم لوگ انھیں یہاں لے آئے ہو۔ ان کی کوئی خطا نہیں ہے۔ خطا دراصل میری ہے۔ میں نے یہ سب کام انجام دیا ہے۔ احمد کسروی ایسا ہی شخص ہے کہ اس پر مقدمہ ضرور چلانا چاہئے۔ ہم نے تو حکومت سے صرف اتنا مطالبہ کیا ہے کہ اسے عدالت میں پیش کیا جائے۔ اس کے بعد نواب صفوی نے ایک کاغذ لکھ کر تھانیدار کو دیا کہ سات روز کے اندر آقا شیخ مہدی کو تھانہ میں حاضر کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد ہم لوگ تھانے سے باہر نکل آئے۔ رات میں ہم لوگ آقا شیخ مہدی کے گھر پہنچے۔ اور یہ طے کیا کہ آٹھ آٹھ آدمی گروہ بنا کر تھانے کے اندر داخل ہوں۔ لیکن فوجی حکومت کی وجہ سے گروہ کی شکل میں نکلنا مشکل تھا۔ لہٰذا یکے بعد دیگرے ہم سبھی لوگ تھانے پہنچ گئے۔

آقا شیخ مہدی سیدھے تھانیدار کے کمرے میں داخل ہوئے اور کہا مجھے کس کام کے لئے طلب کیا گیا ہے؟ اسی اثنا میں ہم لوگ بھی تھانیدار کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں شیخ مہدی ہوں۔ ادھر تقریباً تین چار سو تاجر تھانے کے احاطے میں جمع ہو چکے تھے۔ اتنے آدمیوں کو دیکھ کر تھانیدار کی جان نکل گئی۔ آنے والے ہر تاجر کی زبان پر صرف یہی جملے تھے، ہم چاہتے ہیں کہ کسروی پر عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ تھانیدار نے ہم لوگوں کے سامنے ہی وزیر اعظم ہاؤس کے بلند عہدیداروں کو یہ لکھا کہ اگر دو تین روز کے اندر کسروی کو عدالت میں نہ

پیش کیا گیا تو بازار میں حکومت کے خلاف بغاوت کھڑی ہو جائے گی جس کا کنٹرول کرنا میرے بس کی بات نہ ہو گی۔

اس طرح حکومت پیر یا منگل کے روز کسروی کو عدالت میں پیش کرنے پر مجبور ہو گئی۔ عدالت میں کسروی سے کچھ سوال کیا گیا۔ ادھر نواب صفوی نے یہ طے کر لیا تھا کہ جیسے ہی وہ عدالت سے باہر آئے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کسروی کے ساتھ دو خطرناک قسم کے بدمعاش اس کی حفاظت کے لئے آئے ہوتے تھے۔ ایک رات قبل نواب صفوی نے ہم لوگوں کو پھٹکارتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے پتہ چل گیا تم لوگ یہ کام انجام نہیں دے سکتے۔

حادثے والے دن کسروی کے دونوں طرف دو تندرست آدمی بطور محافظ اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ فدائیان اسلام کے تین چار آدمی افسروں کا لباس پہن کر عدالت گاہ میں داخل ہوئے۔ کچھ لوگ پیچھے والے دروازے سے پہلے ہی داخل ہو چکے تھے۔ چاروں طرف زبردست فوجی پہرہ تھا۔ مگر خدا رحمت کرے آقا جواد منظفری پر کہ وہ ایک کرسی کے نیچے گھس گئے اور کسروی پر گولیوں کی بوچھار کر دی۔

سوال:۔ کیا یہ واقعہ عدالت کے اندر ہی رونما ہوا تھا؟

جواب:۔ جی ہاں۔ خاص عدالت گاہ میں۔ قاضی خود اپنی نگاہوں سے کسروی کے قتل کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ تھا اور خاموشی کے ساتھ نگاہ نیچی کئے ہوتے یہ سب تماشہ دیکھتا رہا۔

آقا حسین امامی کی انگلی میں گولی لگ گئی تھی۔ ہمارے علی آقا کا پیر بھی

زخمی ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے عدالت سے باہر آتے ہی نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا تھا۔ پورے احاطے میں نعرۂ تکبیر کی آواز گونج رہی تھی۔ ان لوگوں کے باہر آتے ہی عدالت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ باہر نکلتے ہی یہ لوگ کار پر بیٹھے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ گھر آکر ان لوگوں نے کپڑے تبدیل کئے۔ پھر ان لوگوں کو اپنے ایک دوست کے ہمراہ گیلان روانہ کر دیا۔ دو آدمی حسین امامی کو لے کر اسپتال پہنچے۔ ان کے ساتھ حمزہ علی آقائی بھی تھے۔ ان کے پیر میں بھی چوٹ تھی۔

سید علی آقا ایک غیور آدمی تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر سے اپنا حال بتاتے ہوئے کہا، "میرے ہاتھ میں لگے ہوئے خون کو فوراً صاف کر دو۔ یہ کسروی کی گردن کا خون ہے۔" یہ سن کر ڈاکٹر گھبرا گیا لیکن اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں نہیں ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے کمرے میں گیا اور پولیس اسٹیشن ٹیلیفون کر دیا۔ فوراً ہی ایک موٹر مسلح سپاہیوں سے بھری ہوئی اسپتال آگئی۔ علاج کے دوران ان سے سوال و جواب ہوتا رہا۔ ان لوگوں نے جرم کا اقبال کر لیا۔ پھر پانچ چھ آدمی اور پہنچ گئے اور انھوں نے خود کو اس جرم میں شریک بتا کر گرفتار ہو جانا مناسب سمجھا تاکہ جرم میں زیادہ لوگ شریک ہو جائیں تو آگے چل کر فائدہ ہی ہو گا۔ گرفتاری دینے والوں میں میں نہیں تھا۔

ان دنوں آقائے بہبہانی، آیۃ اللہ میرزا محمد علی شاہ آبادی، آقا شیخ محمد حسن طالقانی اس دور کے متقی و پرہیزگار علماء دین میں شمار کئے جاتے تھے۔

خود مرحوم طالقانی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اس کمبخت کسروی کا کام تمام کردو۔ یہ سبھی علماء شاہی حکومت کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔ شاہی دربار کی طرف سے بھاری رقم کے تھیلے ان کے پاس لائے جاتے تھے مگر انھوں نے کبھی قبول نہیں کیے۔ رئیس مجلس بھی اپنی بیوی کے ساتھ دو تین مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ روپیہ ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہا مگر انھوں نے کبھی ایسی رقم قبول ہی نہیں کی۔ یہی وجہ تھی کہ آخر کار رضا خان کو کہنا پڑا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دولت کے قریب میں آنے والے نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ کسروی کے کے قتل کے سلسلے میں سات آدمی گرفتار ہوئے تھے۔ چنانچہ مقدمہ کی پیروی کے لئے سات عمدہ وکیلوں کو منتخب کیا گیا۔ ان لوگوں نے باقاعدہ پیروی کی اور خدا کا شکر کہ تمام لوگ آزاد کر دیئے گئے۔ اور کسروی کو اسی حالت میں امام زادہ قاسم میں ایک پہاڑ کے دامن میں ویسے ہی دفن کر دیا گیا۔ نواب صفوی نے لوگوں کو حکم دیا کہ امام زادہ قاسم میں جا کر احتجاج کریں کہ اسے یہاں کیوں دفن کیا گیا۔ آخر کار حکومت مجبور ہو گئی اور اس کی قبر کے چاروں طرف دیوار اٹھا دی۔

سوال:۔ آپ لوگوں نے کسروی کے قتل کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔ اب ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس دور کے روحانی بزرگ اور مراجع تقلید کا کسروی کے بارے میں کیا خیال تھا؟ کیا وہ لوگ بھی کسروی کے قتل سے متفق تھے؟

جواب:۔ قرآن مجید کے پشت پر دستخط کرنے کے بعد اور کسروی کو قتل کر دینے کے لئے قسم اٹھانے کے بعد خود میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ کیا کسروی

واقعی واجب القتل ہے۔ چنانچہ احتیاط کے طور پر میں خود آیۃ اللہ شاہ آبادی کے پاس گیا وہ ہمارے راز سے واقف بھی تھے۔

اور اپنا اسلحہ ان کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔ "میں اس معاملہ میں قطعی جاہل ہوں آپکے ہاتھوں میں یہ اسلحہ ہے۔ اب اگر آپ کسروی کو واجب القتل سمجھتے ہیں تو مجھے حکم دیں تاکہ میں اس کا کام تمام کرسکوں"۔ انھوں نے اسلحہ میرے ہاتھوں میں واپس کرتے ہوئے کہا جاؤ اور اس دشمن خدا کو جہنم رسید کرو۔

پھر میں نے حجّت تمام کرنے کی غرض سے آیۃ اللہ کاشانی اور آیۃ اللہ طالقانی سے بھی اس مسئلہ میں رجوع کیا۔ ان لوگوں نے بھی یہی فتویٰ دیا کہ کسروی کا قتل واجب ہے۔ ان لوگوں کے علاوہ آقائے لنکرانی اور آقائے بہبہانی نے بھی یہی حکم دیا کہ ایسے شخص کا قتل کردینا واجب ہے۔ چنانچہ کسروی قتل کردیا گیا۔

شہید نواب اکثر رات میں میرے گھر آجایا کرتے تھے۔ اور تھوڑے دنوں تک میرے مکان کے قریب ہی ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے کر وہ آقائے واحدی ایک ہی ساتھ رہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد گرگان روڈ پر ایک سینما گھر کھلنے والا تھا جس کا نام شہناز تھا۔ اس سینما گھر کے سامنے ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ایک دن نواب صفوی نے کچھ ساتھیوں سے کہا کہ جاؤ سینما گھر کے اس بورڈ کو اکھاڑ لاؤ۔ چنانچہ کچھ ساتھی وہاں گئے اور اس بورڈ کو اکھاڑ لائے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ایک مزدور کو کچھ روپیہ دے کر اسے سینما گھر کے مالک کے پاس بھجوا دیا۔ سینما گھر کے مالک نے مزدور سے دریافت کیا کہ اسے کہاں سے لائے ہو اور کس نے

بھیجا ہے تو اس نے جواب دیا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ مجھے تو صرف اس بات کی مزدوری دی گئی ہے کہ اس سامان کو تیرے پاس پہنچا دوں۔

پارلیامنٹ ہاؤس کے سامنے میری دوکان تھی۔ ایک روز دماوند نامی ایک شخص دوکان پر آیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ تو شہناز سینما گھر کے خلاف دستاویزی شہادت نامہ تیار کر رہا ہے۔ میں نے اس شخص کے سوال کا اثبات میں جواب دیتے ہوئے اس کے سامنے وہ دستاویز پیش کر دیا جس پر کئی ہزار لوگوں کے دستخط موجود تھے۔ وہ بہت ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ ماہر فن کے علاوہ تیری کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن تو اس کوشش میں ہے کہ میرے سینما گھر میں تالا پڑ جائے۔ یہ سنتے ہی میں نے اس شخص کو دھمکی دیتے ہوئے کہا " وہ دن زیادہ دور نہیں جب گرگان روڈ کے چوراہے پر لوگ تیرے بدن پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دیں گے۔ سینما گھر کے خلاف دستاویزی شہادت تیار کرنا تو ایک معمولی بات ہے" یہ سنتے ہی وہ شخص مارے خوف کے تھر تھرانے لگا۔

تھوڑے دنوں بعد اس شخص نے اپنی بیوی اور بچوں کو آیۃ اللہ طالقانی اور آقائے عبادی کے پاس بھیجا۔ پہلے تو ہم لوگ پہنچان نہ سکے اور خیال آیا کہ شاید کوئی عورت کوئلہ وغیرہ کی ضرورت سے آئی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ یہ دماوندی کی بیوی اور اس کے بچے ہیں۔ ان لوگوں نے رو رو کر فریاد کرنا شروع کیا کہ لوگ میرے شوہر کے اوپر پٹرول چھڑک کر آگ لگانے والے ہیں۔ اور واقعی ایسا ہی کچھ ہونے والا تھا کیوں کہ نواب صفوی نے سبھی

ساتھیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جس روز اس سینما گھر کا افتتاح ہو اسی دن اس کے مالک کا کام تمام کر دیا جائے ۔ بہرحال آقای عبادی نے دماوندی کی بیوی سے کہا کہ تو گھر جا اور تو دماوندی کو بھیج دینا تو بات کی جائے گی ۔ مختصر یہ کہ دماوندی آیا ۔ ہم لوگ آقائے عبادی کے ہمراہ مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ دماوندی کو دیکھتے ہی میں نے اس سے کہا " خدا کے بندے ! باقی باتیں بعد میں ہوں گی ۔ نماز کا وقت ہے ۔ آ اپنی نماز تو ادا کر لے ۔ آخر وہ بھی مسجد میں داخل ہو گیا ۔ اور حالت یہ تھی کہ خدا کی قسم ترکیب وضو سے بھی ناواقف تھا نماز کی پابندی تو بہت بڑی بات ہے ۔

مختصر یہ کہ اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار جبراً قہراً نمازِ جماعت ادا کر لی ۔ آقائے عبادی نے اسے کچھ باتوں کی نصیحت کی اور مجھے بھی کافی دیر تک سمجھاتے رہے ۔ بالآخر ہم لوگوں نے اس کی جان تو نہیں ماری مگر اس کے سینما گھر کے خلاف دستایزی شہادت نامہ لے کر ایک دن میں وزیر داخلہ کے پاس پہنچ گیا ۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ میں خلیل طہماسبی ہوں ۔ کہنے لگے بہتر ہے اس کا پرمٹ ضبط کر لیا جائے گا اور سینما گھر بند کروا دیا جائیگا ۔ میں وہاں سے واپس لوٹ آیا ۔ وزارت داخلہ نے اس بات کی اطلاع مقامی پولیس اسٹیشن کو بھجوا دی ۔ اور کچھ دنوں بعد ہی پولیس میرے چھوٹے بھائی محمد اکبری کو گرفتار کر کے لے گئی ۔ میں نے خود کو عدالت میں پیش کر دیا تا کہ میرے چھوٹے بھائی کو چھوڑ دیا جائے ۔ مگر ان لوگوں نے ہم لوگوں کو قید خانہ میں ڈال دیا ۔ ادھر دماوندی متعلقہ افسروں کو رشوت دے کر ایک دوسری جگہ

خرید لی اور سینما گھر کا افتتاح ہوگیا۔ اس موقع پر اس شخص نے مٹھائی وغیرہ بھی تقسیم کروائی۔ قید خانہ میں ہم لوگوں کو تین مہینے تک معلوم نہ ہوسکا کہ سینما گھر کھل چکا ہے۔ جب معلوم ہوا تو ہم لوگوں نے قید خانہ میں احتجاج کے طور پر بھوک ہڑتال کی۔

اسی اثنا میں ایک شخص قید خانہ کے دروازے پر آیا اور بڑی ہی کرخت آواز میں کہنے لگا "سید حسن اکبری مداح کون ہے؟" کچھ لوگ مجھے اس کے قریب لے گئے۔ اس نے دریافت کیا "کیا تم وہی آدمی ہو جس نے دماوندی کو موت کی دھمکی دی تھی" میں نے جواب دیا "میرا نام سید حسین اکبری مداح ہے اور میں نے کسی کو قتل کی دھمکی نہیں دی۔ ہاں اس کے سینما گھر کے خلاف میں نے ایک دستاویزی شہادت نامہ تیار کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس دستاویزی شہادت نامہ کو مجھے دے دو۔ میں نے اس بات سے قطعی انکار کر دیا۔

چھ روز قبل ہم لوگوں نے رزم آرا کو مارا تھا۔ واقعہ کے بعد ہم لوگوں نے جس شخص کے گھر میں پناہ لی وہ نہایت ہی ڈرپوک آدمی تھا۔ اور ہر وقت حکومت کے خوف سے کانپا کرتا تھا۔ ایک دن نواب صفوی نے اس کے سینے پر ایک زوردار ہاتھ رسید کرتے ہوئے مجھ سے کہا "اکبری فوراً ہی اس کے گھر سے باہر نکل چلو۔ ہمارے انقلاب کا مقصد ہے کہ خدا کے دین کی مدد کی جائے چاہے اس راہ میں جان کی بازی لگانی پڑے۔ بس اگر مار ڈالا جاؤں گا تو پرواہ نہیں مگر اسی وقت اس شخص کے گھر سے نکل چلو" اس کے بعد ہم لوگ اسی وقت اپنے گھر آ گئے۔ دیکھا کہ زوجۂ نواب بچہ کو لئے ہوئے

ایک بچہ کرسی کے نیچے سو رہی ہیں۔ میں اپنے مکان کے پیچھے والے کمرہ میں چلا گیا۔ وہاں انار موجود تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے انار کھایا۔ تھوڑی دیر بعد مکان کی پشت پر پیروں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میرے گھر والے فوراً ہی گھبرا گئے۔ میں نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ دراصل یہ لوگ نواب صفوی کی تلاش میں ہیں۔ زبردست کوشش کے بعد بھی حکومت نواب صفوی کو گرفتار نہ کرسکی تھی۔ بالآخر ان لوگوں نے میرے گھر کے دروازہ پر دستک دی۔ میں نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دور تک مسلح سپاہیوں کی ایک لمبی قطار کھڑی ہوئی ہے میں نے پوچھا آخر آپ لوگ کیسے تشریف لائے ہیں۔ انھوں نے میری بات کا جواب دیئے بغیر کہا اندر چلو۔ فوراً ہی میرے ساتھ کچھ مسلح سپاہی گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ میں نے پوچھا آخر میرے گھر پر چڑھائی کا مقصد کیا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ چوں کہ یہ تمہارا گھر ہے اس لئے اس کی تلاشی لینی ہے۔ میں نے کہا پورا گھر حاضر ہے جو کچھ چاہو کرو۔ چنانچہ ان لوگوں نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ ہر کمرہ میں داخل ہونے سے قبل مجھ سے کہتے تم پہلے اندر چلو۔ مقصد یہ تھا کہ اگر نواب پولیس دستہ پر فائرنگ کریں تو پہلی گولی کا نشانہ میں ہی ہوں۔ میرے گھر کے گوشہ گوشہ کی تلاشی لینے کے بعد پڑوسی کے گھر کی بھی تلاشی لی۔ مگر نواب کو نہ پا سکے۔ الماری میں کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں نے کتاب اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک فوجی افسر نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی اور کہنے لگا یہ کتاب تمہیں کہاں سے ملی۔ میں نے کہا ایسی بھی کیا زیادتی کر رہے ہو۔ یہ کتاب میری نہیں ہے اپنے

جیب سے نکال کر مجھ سے پوچھتے ہو کتاب کہاں سے ملی۔ آخر ایسا اندھیر کیوں کرتے ہو اس کے بعد ان لوگوں کی نگاہ زوجہ نواب صفوی پر پڑی۔ کہنے لگے یہ کون سو رہا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ میرے بیوی کی بہن ہے۔ میرے یہاں گھومنے آئی ہے۔ چوں کہ وہ لوگ نواب صفوی کی بیوی سے ناواقف تھے لہذا فوراً ہی یقین کرلیا۔ پھر اس کے بعد کہنے لگے۔ اچھا اپنے دوکان کی چابھی لے آؤ۔ اس جگہ کی بھی تلاشی لینی ہے۔ میں فوراً ہی دوکان کی کنجی لے آیا۔ ان لوگوں نے مجھے گاڑی میں بٹھایا اور دوکان کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں چھ سات جگہ رُکے۔ مجھے ایک گاڑی میں بٹھا کر تھوڑی دور چلتے اور پھر ٹھہر کر دوسری گاڑی میں سوار کر دیتے۔ غرض کہ دوکان پہنچتے پہنچتے چھ سات گاڑیاں تبدیل کیں پارلیامنٹ پریس کے بالکل ہی سامنے میری دوکان تھی۔ وہاں میرا شاگرد سویا کرتا تھا۔ میں نے اسے آواز دی اور کہا کہ دروازہ کھول دو شاگرد کا نام مشہدی عباس تھا۔ اس نے میری آواز سُنتے ہی فوراً دروازہ کھول دیا۔ وہ لوگ تیزی کے ساتھ دوکان کے اندر داخل ہو گئے اور جگہ جگہ کی تلاشی لینے لگے۔ بار بار دریافت کرتے کہ آخر اسلحہ کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ میں جواب دیتا "یار میں کاروباری آدمی ہوں میرے پاس اسلحہ کہاں۔ اور آخر مجھے اسلحہ کی کیا ضرورت ہے کہ میں اسے دوکان میں چھپا کر رکھوں گا۔ غرض کہ ان لوگوں نے ٹارچ جلا کر کونہ کونہ چھان مارا مگر کوئی چیز نہ پا سکے۔ دوکان کے اندر ایک تھیلا پڑا ہوا تھا جس کے اندر سیّد حسین امامی کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے اس تھیلے کو دیکھنے کے بعد چلّانا شروع کیا "پا گئے پا گئے"

میں نے دریافت کیا کہ آخر کیا چیز مل گئی۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ قاتل کی تصویر۔ میں نے کہا کہ یہ تھیلا میرا نہیں ہے۔ اگر میرا ہوتا تو میں اسے دوکان میں اس طرح نہ پھینکے رہتا بلکہ کہیں چھپا کر رکھتا تاکہ تم لوگ نہ حاصل کر سکو۔ ان لوگوں نے پوچھا۔ آخر یہ کہاں سے آئی؟ ہم لوگوں نے تو اسے تمہاری دوکان کے اندر پایا ہے۔ میں نے کہا درحقیقت مجھے اس بات کی قطعی خبر نہیں کہ یہ تصویر کس کی ہے۔ میرے شاگرد سے دریافت کیا کہ آخر یہ تھیلا کس کا ہے۔ اس نے کہا گذشتہ روز بہارستان میں ایک تقریر تھی۔ وہاں لوگوں نے پانچ پانچ ریال میں حسین امامی کی تصویر بھی فروخت کی تھی۔ ایک بوڑھے سے آدمی نے یہ تھیلا میری دوکان پر بطور امامت رکھتے ہوئے کہا تھا کہ واپسی میں لے لیگا۔ لیکن پھر وہ واپس نہیں آیا۔ چنانچہ یہ تھیلا دوکان ہی پڑا رہ گیا۔ یہ سن کر پولیس افسر نے میرے شاگرد کو ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اور میرے شاگرد عباس کو لے کر وہ لوگ قریب کے تھانے میں داخل ہو گئے۔

راستہ میں میں نے عباس کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "یہ لوگ جو کچھ بھی دریافت کریں تم کہدینا مجھے علم نہیں ہے"۔ حقیقت تو یہ تھی کہ عباس کافی دنوں سے میرے پاس تھا لہذا اس کو جملہ باتوں کی پوری اطلاع تھی۔ وہاں لے جا کر ہم لوگوں کو علحدہ علحدہ کوٹھریوں میں بند کر دیا۔ تھوڑی رات گئے کچھ لوگ آئے اور مجھ سے سوال کرنا شروع کیا۔ کہنے لگے اگر تم یہ بتادو کہ نواب صفوی کہاں ہیں تو تمہیں اسی وقت آزاد کر دیا جائے۔ میں نے جواب دیا کہ حکومت ہر ممکن

کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ نواب کا پتہ لگائے مگر اس سلسلہ میں اب تک بالکل ناکام ہے۔ پھر تم خود ہی سوچو کہ جب حکومت کو ان کی خبر نہیں ہے تو مجھ بیچارہ کو کیا معلوم کہ وہ کہاں ہیں ان لوگوں نے پوچھا " تم نواب صفوی کو جانتے بھی نہیں ہو۔ میں نے کہا ایسا نہیں ہے۔ میں ان سے واقف ضرور ہوں لیکن اس بات کی قطعی اطلاع نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ اُدھر عباس مشہدی کی بھی رات بھر پٹائی کی۔ مگر اس نے ہر بات کا یہی جواب دیا کہ میں تو معمولی سا نوکر ہوں مجھے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں ہے کہ میرے مالک اور نواب صفوی میں کیا تعلقات ہیں اور نواب صفوی کہاں ہیں۔ اس کو اس قدر مارا تھا کہ سر پھٹ گیا مگر یہ معلوم نہ کر سکے کہ نواب صفوی کہاں ہیں۔ غرض کہ ہم لوگوں کو قید خانہ میں منتقل کر دیا گیا۔

ایک بات اور عرض کر دوں۔ کمالی نامی ایک شخص اکثر شامیانہ والے کے نمائندہ کی حیثیت سے میرے گھر آیا کرتا تھا۔ اور بسا اوقات میرے اور نواب صفوی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا بھی کھایا کرتا تھا۔ غرضکہ ہم لوگ اس کے بارے میں بس اتنا ہی واقف تھے کہ یہ شامیانہ والے کا نمائندہ ہے۔ لیکن دراصل وہ خفیہ پولیس کا ایک افسر تھا اور ہم لوگوں کا راز معلوم کرنے کے لئے اس نے یہ فریب رچا رکھا تھا۔ جس زمانہ میں، میں قید خانہ میں تھا۔ ایک روز میں کسی ضرورت سے اپنی کوٹھری کے باہر آیا۔ کسی نے آواز دی۔ آقائے اکبری۔ میں نے پلٹ کر دیکھا کمالی کھڑا ہوا تھا اس نے کہا اُوپر آجاؤ۔ اب جو اُوپر آکر دیکھا تو ایک علحدہ اور سجا ہوا کمرہ نظر آیا۔ کمرہ میں بہت

سے نئے اور عمدہ کمبل بھی موجود تھے جبکہ قیدی کی حیثیت سے بمشکل تمام میرے پاس صرف دو عدد اور بالکل پرانے کمبل تھے۔ وہ کہنے لگا" اکبری تمہیں جس قدر کمبل کی ضرورت ہو یہاں سے لے جاؤ۔ بظاہر وہ بھی قیدی معلوم ہوتا تھا لہٰذا میرا یہ پوچھنا فطری تھا کہ آخر یہ کمبل تمہارے پاس کہاں سے آئے۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے دوست کے یہاں سے منگوایا ہے۔ کچھ دنوں بعد لوگ مجھے سوال وجواب کے لئے ایک کمرہ میں لے گئے۔ مسلح فوج کے سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں موجود تھا۔ لوگوں نے اس کمرہ کو کھولتے ہوئے کمالی کو مخاطب کر کے کہا۔" صاحب۔ فدائیان اسلام کا کیپٹن حاضر ہے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا۔ تمہیں اختیار ہے جو چاہو مگر دراصل میں ایک تاجر ہوں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوں۔ اس نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

دراصل لوگوں نے بتایا ہے کہ تم فدائیانِ اسلام کی ایک اہم فرد ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں دوکاندار ہوں اور نواب صفوی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے پھر کہا۔ کیا تم نواب کے دوست نہیں ہو۔ میں نے کہا نہیں میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ وہ ایک مذہبی عالم کی حیثیت سے اکثر میرے گھر آیا کرتے تھے اور ہم لوگ ساتھ میں بیٹھ کر کھانا بھی کھاتے رہے ہیں۔

اس نے پھر پوچھا۔ بریگیڈیر قریب نے تمہیں جو امانت دی تھی آخر اس کو تم نے کیا کر ڈالا۔ میں نے کہا آخر یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیسی اور کون سی امانت کی طرف اشارہ ہے۔ اس نے کہا کہ تمہیں ایک پیکٹ بریگیڈیر کو دے کر

اس میں نواب کے لئے کچھ امانت لائی تھی۔ میں نے کہا مجھے کچھ یاد نہیں اگر وہ پیکیٹ سامنے ہوتا تو شاید پہچان بھی لیتا۔ اس نے فوراً ہی اپنے میز کی دراز کھولی اور اس پیکیٹ کو باہر نکال کر میز پر رکھدیا۔ واقعی یہ وہی پیکیٹ تھا جو نواب صفوی نے بریگیڈیر کے لئے دیا تھا۔ اس پیکیٹ کے اندر نواب کا خط رکھا ہوا تھا جس میں انھوں نے بریگیڈیر قریب کو لکھا تھا کہ اکبری آپ کے پاس آرہے ہیں مطلوبہ امانت اس پیکیٹ میں رکھ کران کے حوالے کر دیجئے گا۔ اور اس معاملہ میں کمالی نے ہمیں زبردست دھوکا دیا تھا۔

س۔ کیا آپ کو کمالی پر اعتماد نہیں تھا؟

ج۔ دراصل میں اس سے اچھی طرح سے واقف نہ تھا بس اتنا ہی معلوم تھا کہ شامیانہ والوں کا نمائندہ ہے۔ مرحوم نواب نے اس خط کو مجھے ایک عام جلسہ میں دیا تھا۔ اور اس جلسہ میں کمالی بھی موجود تھا۔ اور اس نے ہم لوگوں کو وہاں دھوکا دیا تھا۔

ویسے جب کبھی کمالی ہم لوگوں کے پاس آتا اس کی یہی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر کے حکومت کے حوالے کر دے۔

مختصر یہ کہ میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کیپٹن صاحب دراصل میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ لہذا یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس خط میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اس نے میری بات کو سُن کر ایک دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ذرا دیکھو۔ ایک طرف تو یہ کہتا ہے کہ وہ خط کہاں ہے دکھاؤ اور دوسری طرف کہتا ہے کہ جاہل ہے۔ یہ کہہ کر اس نے زور دیتے ہوئے مجھ سے

پُوچھا۔ تم کو بریگیڈیر قریب نے اسلحہ نہیں دیا تھا۔ میں نے کہا بالکل نہیں کیسا اسلحہ۔ اس نے کہا سات فائر والا پستول۔ میں نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے میں نے کبھی کوئی اسلحہ نہیں لیا۔

آخر کار اس نے ایک رپورٹ تیار کی جس میں لکھا "حسین اکبری کہتا ہے کہ میں امام بروجردی کا مقلد ہوں۔ اور بریگیڈیر قریب سے میں نے کوئی اسلحہ نہیں لیا"، اس رپورٹ پر مجھ سے تین چار جگہ دستخط بھی لئے۔ اور اس کے بعد مجھے قید خانہ پہنچا دیا گیا۔ ادھر نواب صفوی کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا مگر قید خانہ میں مجھے انکی گرفتاری سے متعلق کوئی اطلاع نہ تھی۔

قید خانہ میں بھی ضرورت مند لوگوں کی امداد کرنا ہم فدائیانِ اسلام کا عین فریضہ ہوا کرتا تھا۔ ہم لوگوں نے جہاں تک امکان تھا قید خانہ میں دی جانے والی غذا سے پرہیز کیا اور اپنا کھانا خود تیار کر کے کھایا کرتے تھے۔

یہاں سے یہ لوگ ہمیں شاہی قید خانہ میں لے گئے۔ اس وقت ہم لوگ تقریباً آٹھ آدمی تھے۔ جیسے ہی قید خانہ کے دروازہ پر پہنچے ہم لوگوں نے نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ ہمارا نعرہ کچھ اس انداز کا ہوتا تھا کہ دشمن اس کو سُن کر لرزہ براندام ہو جایا کرتا تھا۔ تیسری بار صلواۃ ختم ہی کی تھی کہ قید خانہ کا افسر اعلیٰ اپنے کمرہ سے باہر نکل آیا اور ہم لوگوں کو گالیاں دینے لگا۔ اور کہا ایک طرف تم لوگوں کا قتلِ عام کرتے ہو اور دوسری طرف نعرۂ صلواۃ بلند کرتے ہو۔ آقا سیّد ہاشم قید خانہ کے افسر کے سامنے گئے اور اس کی گالیوں کا جواب دیتے ہوئے بولے۔ تیری اس شرمناک حرکت کی وجہ سے ہم لوگ قید خانہ میں

داخل نہ ہوں گے۔ اس کو سُن کر مسلح افسران ہم لوگوں کے قریب آگئے اور درخواست کی کہ قید خانہ کے اندر داخل ہو جائیں۔ یہ بات ناگفتہ نہ رہ جائے کہ یہ وہی سید ہاشم ہیں جنھوں نے بعد میں نواب صفوی کو قتل کئے جانے والے حکمنامہ پر اپنے دستخط کئے تھے۔ داگران کا یہ فعل لائق ہدایت ہو تو پروردگار ھدایت کرے۔ ورنہ خداوند عالم انھیں اس کی سزا دے) شروع میں یہ شخص اس قدر دین دار تھا کہ بہت سارے لوگ اسں کے توسط سے فدائیانِ اسلام جماعت میں داخل ہوئے اور نواب صفوی کی اطاعت کو اپنا فریضہ سمجھا۔ مختصر یہ کہ ہم لوگ شاھی قید خانہ میں داخل ہو گئے۔ قید خانہ کے اندر کیا دیکھا کہ فوج کا ایک بڑا دستہ ہم لوگوں کی طرف ہتھیار تانے کھڑا ہے۔ پس ہم لوگوں نے ان کی اس شرمناک حرکت پر بھی صدائے اعتراض بلند کی اور کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ آٹھ عدد بے بس قیدیوں کا اسں طرح استقبال کرتے ہو جبکہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی ہے جب تک تم لوگ اپنے ہتھیار نیچے نہ کرلو گے ہم لوگ قید خانہ کے اندر ایک قدم بھی نہ بڑھیں گے۔ اگر تم میں طاقت ہے تو اپنے ان ہتھیاروں کے ذریعہ ہی ہمیں آگے لے چلو۔ بالآخر وہ لوگ مجبور ہو گئے اور اپنے ہتھیاروں کو نیچے کر لیا۔ پھر ہم لوگ نعرہ صلوٰۃ بلند کرتے ہوئے قید خانہ کے اندر چلے گئے۔

ہم لوگوں کے صلوٰۃ کی آواز سُن کر دوسرے قیدی اپنی اپنی کھڑکیوں کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ فدائیانِ اسلام گرفتار کر کے لائے گئے ہیں۔ بالآخر قید خانہ کے سپاہی ہم لوگوں کو زندان سیاسی کی طرف لے کر آگے بڑھ گئے۔

اسی زمانہ میں، تودہ پارٹی کے آٹھ، نو لوگ قیدخانہ سے بھاگ گئے تھے۔ چنانچہ ہم لوگوں کو انھیں کمروں میں بند کرنے کے لئے لے جایا گیا۔ وہاں پھر نو عدد کمرے تھے مگر ہم لوگ صرف آٹھ آدمی تھے۔ ہم لوگوں نے فوراً ہی یہ سمجھ لیا کہ ہر آدمی کو علحدہ علحدہ کمروں میں بند کئے جانے کا انتظام ہے۔ پھر اس کے بعد ایک ایک کرکے ہم سبھی لوگوں کو پھانسی دے دی جائے گی۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ آٹھوں آدمی ایک ہی جگہ رہیں گے اور کمرے باہر والے کریڈور میں لیٹ کر سو جائیں گے۔ چاہے جو کچھ ہو مگر ہم میں سے کوئی آدمی کمروں میں نہ رہے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہر چند درخواست والتماس کی مگر ہم لوگوں نے علیحدہ علحدہ کمروں میں جانے سے انکار کر دیا اور کہدیا کہ اسی کریڈور میں سو جائیں گے۔

اس رات ہم لوگ ایک ہی جگہ یعنی کمروں کے باہر بنے ہوئے برآمدہ میں ہی سو گئے۔ صبح ہوئی۔ دیکھا کہ اس جگہ کوئی بھی نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے کمرہ میں آجا سکتا ہے۔

ایک رات ان لوگوں نے خبر دی کہ آج رات نواب صفوی کو بھی اسی جگہ لے آئیں گے۔ چوں کہ ہم لوگوں نے عرصہ دراز سے اُن کی زیارت نہ کی تھی لہذا یہ خبر ہم سبھی لوگوں کے لئے انتہائی مسرت آمیز تھی۔ لہذا سب لوگ نواب کی آمد کا بڑی بیقراری کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر قیدخانہ کے کچھ سپاہی نواب صفوی کو لئے ہوئے آگئے۔ عبداللہ کرباسچیان میرے بغل میں ہی کھڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی نواب آئے میں ان سے بغلگیر ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ اُن کے دستِ مُبارک کو بوسہ دُوں مگر انھوں نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اسی وقت

کرباسچیان نواب کے پیروں کا بوسہ دینے کے لئے زمین پر گر پڑا۔ مرحوم نواب نے اُسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ امیر عبداللہ کیا کر رہے ہو۔ اُٹھو۔ اُٹھو۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے اُسے اٹھا لیا۔

جس شخص کو آج میں نے اپنی آنکھوں سے نواب کے قدموں پر گرتا ہوا دیکھا تھا، بعد میں سننے میں آیا کہ اس نے مرحوم کی بے احترامی کی ہے۔

قیدخانہ میں ہی ایک رات کرباسچیان کو بہت تیز بخار آگیا اور اس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب ہوگئی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہو کہ اس زمانہ میں جو غذا قیدیوں کے لئے فراہم کی جاتی تھی وہ بہت ہی خراب ہوا کرتی تھی۔

خدا گواہ ہے کہ بیماری کی رات نواب صفوی ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سوئے اور ساری رات کرباسچیان کے سرہانے دعائیں پڑھتے رہے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی نواب اُسے اس کے پاس ہی لاکر دیتے تاکہ بخار کی حالت میں اسے تکلیف نہ ہو۔ بار بار اس سے دریافت کرتے اب کیسی طبیعت ہے، کچھ آرام ہے کہ نہیں۔ ساری رات کی بیداری سے خود مرحوم نواب کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ مختصر یہ کہ نواب صفوی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی ہی وفاداری اور انتہائی خوش اخلاقی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔ ایک روز ہم لوگوں کے پاس روپیہ بالکل نہیں تھا۔ معمول کے اعتبار سے اخراجات کا جملہ حساب میرے پاس رہا کرتا تھا۔ اور صرف آٹھ ریال باقی رہ گئے تھے۔

جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ قیدخانہ میں ہم لوگ اپنے کھانے

پینے کا انتظام خود کیا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ میں نے اپنی دوکان فروخت کر دی تھی اور تقریباً چھ ہزار یا پانچسو تومان[1] گھر والوں کو دینے کے بعد باقی ساری رقم قید خانہ میں مہیا کی جانے والی خوراک پر خرچ کر دی تھی۔ ویسے قید خانہ کی طرف سے روزانہ ۱۲ ریال تودہ پارٹی کے قیدیوں کو ۱۸ ریال ہم لوگوں کو اور تین تومان و چھ ریال نواب صفوی کے مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن ہم لوگ اس روپیہ کو نہ لیا کرتے تھے۔ جب روپیہ کی کمی ہوئی تو ساتھیوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ قید خانہ کی طرف سے دی جاتے والی رقم کو قبول کر لیا جائے۔ اگر ضرورت نہ ہوگی تو اس رقم کو محتاجوں میں تقسیم کروا دیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے قید خانہ کی انتظامیہ سے اپنا حصہ طلب کر لیا۔ چنانچہ وہ لوگ روپیہ لے کر آئے۔ میں نے ان سے مطلوبہ رقم قبول کرنے سے قبل نواب سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ دوستوں کے بے حد اصرار پر میں نے قید خانہ سے ملنے والی رقم کا مطالبہ کر لیا تھا۔ وہ لوگ روپیہ لے کر آئے ہیں۔ اب آپ کا کیا حکم ہے۔ آیا اس کو قبول کر لوں یا کہ واپس کر دوں۔ انھوں نے فوراً ہی جواب دیا کہ ان کم بخت اور بدمعاشوں کے حرام مال کو قطعی قبول نہ کرنا چاہیئے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ امام زمانہ ہم سبھی لوگوں کی فکر میں ہیں پھر ہمیں اس مال حرام کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ادھر قید خانہ کا افسر بار بار یہی کہتا کہ یہ روپیہ آپ لوگوں کا ہے۔ آپ لوگوں

---

[1] تومان:- ایرانی سکہ ہے جو ہندوستانی اعتبار سے تقریباً ایک روپیہ ۵ پیسے کے برابر ہوتا ہے۔ اور ایک تومان ۱۰ ریال کا ہوتا ہے۔

نے خود ہی اپنی رقم طلب کی تھی۔ آخر اب اس کو قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے
میں نے جواب دیا کہ نواب صفوی کا حکم ہے کہ ہم لوگ اس حرام رقم کو قبول نہ
کریں لہذا تم اس کو واپس لے جاؤ اب ہم میں سے کوئی بھی اس کو قبول نہ کرے گا۔
مختصر یہ کہ اس کی سینکڑوں درخواست کے بعد بھی ہملوگوں نے روپیہ
قبول کرنے سے انکار کر دیا وہ اُسے لے کر واپس چلا گیا۔ حالانکہ دوپہر
اور شام کو کھانے کے لئے ہم لوگوں کے پاس مناسب غذا بھی نہ تھی۔
تھوڑی دیر بعد قید خانہ کا وہ افسر آیا جو قیدیوں کی غذا وغیرہ کا انتظام کیا
کرتا تھا۔ اس نے علی احرار کو آواز دیتے ہوئے ایک بڑے ناشتہ دان
کی طرف اشارہ کر کے پُوچھا۔ علی احرار! تم اس کو پہچانتے ہو۔ اگر ہاں تو
بتاؤ کس کی ہے۔ علی احرار نے جواب دیا۔ ہاں۔ دراصل میرے والد
صاحب نے اس ناشتہ کو اس لئے خریدا تھا کہ اس میں کارخانہ کے
ملازمین کا کھانا جایا کرے۔ جب ہم لوگوں نے اس بڑے ناشتہ دان
کو غور سے دیکھا تو وہ کھانے پینے کی چیزوں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ اس شخص
نے علی احرار کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ناشتہ دان اور مبلغ ۲۵ ریال
تمہاری ہمشیرہ لے آئی تھیں۔ چوں کہ آج ملاقات پر پابندی لگا دی گئی تھی۔
لہذا میں نے یہ سامان ان سے لے لیا کہ تم تک پہنچا دوں گا۔
غرض کہ ناشتہ دان میں اتنا زیادہ کھانا تھا کہ ہم سبھی لوگوں نے
پیٹ بھر کھایا اور کچھ بچ گیا تو اسے شام کے لئے رکھ دیا گیا۔ جو روپیہ
ہم لوگوں کے پاس تھا اور روپیہ جو علی احرار کی ہمشیرہ لے آئی تھیں سب

ملا کر شام کے لئے کھانا منگایا گیا اور سب لوگوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد مرحوم نواب صفوی نے ہم سب لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہوئے پوچھا۔ اگر کسی شخص نے علی احرار کے گھر پیغام بھیجا تھا کہ کھانا لے آئیں۔ ہم لوگوں نے جواب دیا۔ جی نہیں۔ پھر آپ نے کہا دیکھو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ امام زمانہ ہم لوگوں کی فکر میں ہیں اور ہم لوگ ان کے سپاہی ہیں پس قید خانہ کے ذریعہ فراہم کی گئی حرام رقم سے پرہیز کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ جب نواب صفوی یہ باتیں کر رہے تھے تو قید خانہ کے کچھ افسران ہم لوگوں کے قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے مزید کہا "چوں کہ تم لوگوں نے خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے انقلاب برپا کیا ہے لہذا ضروری ہے کہ ان خدا دشمن افسروں کی طرف سے دی جانے والی ہر مراعات کو قطعی قبول نہ کرو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں رہ گئے جب یہ لوگ نیست و نابود ہو جائیں گے۔"

دوسری صبح ملاقات کا دن تھا۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو ہم لوگوں سے ملنے آیا، اپنے ہمراہ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کچھ روپیہ بھی لے آیا۔ اس طرح اچھی خاصی رقم اکٹھا ہو گئی۔ ملاقات کے روز کھانے پینے کا اتنا سامان آ گیا کہ ایک کمرہ میوہ جات اور غذاؤں سے بھر گیا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ سامان ایک ہفتہ کے لئے کافی ہو گا۔

دوسری صبح میں نے نواب صفوی کی خدمت میں عرض کیا کہ تین روز بعد پھر ملاقات کا دن ہے اور گذشتہ کل جو کھانے پینے کا سامان اور پھل وغیرہ آیا ہے وہ بہت زیادہ ہے آخر ہم لوگ کتنا کھائیں گے۔ یہ سب خراب

ہو کر رہ جائے گا۔ انھوں نے حکم دیا کہ اپنے کھانے کے لئے جس قدر ضرورت ہو الگ کر لو اور باقی میوہ وغیرہ کسی کے ذریعہ قید خانہ کے دوسرے قیدیوں میں تقسیم کروادو۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ضرورت سے زیادہ پھل وغیرہ دوسرے قیدیوں میں تقسیم کروا دیا گیا۔

ہر روز ظہر کے وقت ہم لوگ اذان دیتے اور باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ یہ بات تودہ پارٹی کے قیدیوں کو بہت ہی بری لگتی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک روز ہم لوگوں کو گالی دینا شروع کر دیا کہنے لگے کہ انگریزوں سے روپیہ لے کر کھاتے ہو اور ان کے مفاد کے لئے کام کرتے ہو اور قید خانہ میں لوگوں کو دکھانے اور دھوکا دینے کے لئے نماز جماعت ادا کرتے ہو۔ یہ سُن کر ہمارے ساتھیوں کو بڑا غصّہ آیا۔ تودہ پارٹی کے تقریباً ۷۰ یا ۸۰ لوگ تھے اور ہم صرف آٹھ نو آدمی پھر بھی ہم لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اسی جگہ ایک بنچ پڑی ہوئی تھی ہمارے ساتھیوں نے اسے توڑ ڈالا اور اس کی لکڑی سے ہتھیار کا کام لیتے ہوئے ان سب کی اچھّی خاصی پٹائی کر دی۔ یہ منظر واقعی دیکھنے لائق تھا گو کہ ان کی تعداد زیادہ تھی مگر ڈر کے مارے وہ اس طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے جیسے بلّی کو دیکھ کر چوہے بھاگا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد قید خانہ کے افسران آ گئے اور انھوں نے معاملات کو رفع دفع کر دیا۔

مجھے یاد نہیں کہ قید خانہ میں کتنے دن گزر گئے۔ ایک دن آدھی رات گئے نواب صفوی نے آواز دی۔ اکبری۔ اکبری اٹھو۔ تمھاری اور شہدی حسن دولابی کی آزادی کا پروانہ آ گیا۔ میں نے کہا نہیں بھائی مجھے اس پروانہ سے

خطرہ کی بو آرہی ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ مجھے باہر لے جاکر اپنی گولیوں کا نشانہ بنادیں گے۔ انھوں نے کہا نہیں ایسا قطعی نہیں ہوگا جو شخص آزادی کا پروانہ لے کر تم لوگوں کو بلانے آیا ہے وہ معتمد آدمی ہے اس سے اس قسم کی خیانت کی اُمّید نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ آدھی رات میں ہم لوگوں کو ایک گاڑی پر سوار کرکے قید خانہ کے باہر لایا گیا۔ وہ لوگ ہمیں کسی مخصوص جگہ پر لے جانا چاہتے تھے مگر ہم لوگوں نے صاف صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ اتنے زمانہ کے بعد قید خانہ سے آزادی ملی ہے لہذا ہم لوگ سیدھے اپنے گھر جائیں گے۔ ان لوگوں نے اس شرط پر ہمیں ہمارے گھروں کے قریب اُتار دیا کہ کل صبح ہم لوگ ان کے ساتھ وہاں جانے کے لئے تیار رہیں گے جہاں وہ لے جانا چاہتے ہیں۔ دوسری صبح ہم لوگ پھر گاڑی میں سوار کئے گئے اور ایک خاص قسم کے مکان میں ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ تم نے اپنی دوکان چھ ہزار تومان میں فروخت کردی ہے۔ چلو ہم لوگ تمہیں وہ دوکان واپس دلائے دیتے ہیں۔ ہم نے جواب دیا کہ جی نہیں ہمیں کسی قسم کی رعایت کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خداوند عالم رزاق ہے وہ ہماری روزی کا انتظام کرے گا۔ مختصر یہ کہ وہ لوگ مال و دولت کے ذریعہ ہمیں خریدنا چاہتے تھے مگر پروردگار کی مصلحت کہ اس نے ہمیں ان کے فریب سے محفوظ رکھا۔ خدا کا لاکھ احسان کہ اب تک کی زندگی بڑے سکون سے گذر گئی اور آئندہ حیات بھی انشاء اللہ خوب گزر جائے گی۔

اس طرح دو دو کر کے قید خانہ کے تمام ساتھیوں کو آزاد کر دیا گیا اور صرف نواب صفوی ہی وہاں رہ گئے۔ ایک روز آقائے واحدی اور آقائے ہاشمی نے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم لوگ ملاقات کی غرض سے قید خانہ چلیں اور وہاں خود کو گرفتار کروا دیں۔ اگر وہ لوگ ہمیں گرفتار نہ کریں تو ہم لوگ کہیں گے کہ بغیر نواب صفوی کے ہم لوگ قید خانہ سے باہر نہ جائیں گے۔ چنانچہ ۷۰۔۸۰ آدمی اکٹھا ہو گئے۔ سب لوگ قید خانہ پہنچ گئے۔ جب ملاقات کا وقت تمام ہو گیا تو قید خانہ کے افسران نے ان لوگوں کو باہر جانے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہرگز باہر نہ جائیں گے اور اگر جائیں گے تو نواب صفوی کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔

مرحوم نواب نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ بیوی بچّے والے ہو لہذا میرا کہنا مانو اور واپس چلے جاؤ۔ لیکن کسی شخص نے ان کی یہ بات نہ مانی۔ رات ہو گئی اور قید خانہ کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔ اس بار میں قید خانہ میں نہیں تھا بلکہ میرے ذمّہ یہ کام تھا کہ جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان کے گھر والوں کی دیکھ بھال کروں۔ چنانچہ میں اپنی اسکوٹر لئے ہر ساتھی کے گھر جاتا اور گھر والوں سے خیریت دریافت کرتا رہتا۔ مجھے اچھّی طرح سے یاد ہے کہ اس گروہ کے ساتھ آقائے میر دامادی بھی تھے۔ اور قید خانہ کے لوگوں نے ان سیّد بزرگوار کو بُری طرح سے مارا تھا۔ یہ مصدّق کی حکومت کا زمانہ تھا اور تمام لوگوں کی بُری طرح پٹائی کی گئی کہ نواب صفوی کو چھوڑ کر سب لوگ قید خانہ سے باہر نکل جائیں۔ مگر ان لوگوں نے ایسا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

ایک دن ایک بڑے کمرے میں چالیس پچاس سپاہی ہاتھ میں کوڑا

لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور ان لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ایک ایک کر کے ان سپاہیوں کے سامنے سے گزریں۔ جیسے ہی یہ لوگ سپاہی کے سامنے سے گزرتے ان پر کوڑوں کی بوچھار کر دی جاتی۔ غرض کہ اس دن یہ لوگ بُری طرح سے زخمی کر دیئے گئے اور سب کو اسپتال داخل کر دیا گیا۔ پھر وہاں سے ہر ایک کو اس کے مکان بھیج دیا گیا۔

کچھ دنوں بعد یہ خبر ملی فلاں روز نواب صفوی کو آزاد کیا جائے گا۔ اس خبر کو سُنتے ہی آزادی والے دن کافی تعداد میں لوگ قیدخانہ کے دروازے پر جمع ہو گئے کہ نواب صفوی کا استقبال کریں گے۔ جیسے ہی وہ قیدخانہ سے باہر آئے لوگوں نے زوردار نعرۂ صلواۃ بلند کیا۔ پھر بڑی شان و شوکت کے ساتھ انھیں آقائے صرفان کے مکان پر لایا گیا۔ وہاں چراغاں کیا گیا اور کئی گوسفند اُن کے سامنے قربان کئے گئے۔ نواب صفوی کافی دنوں تک اسی مکان میں رہے۔ یکے بعد دیگرے لوگ گروہ در گروہ ان کی مُلاقات اور زیارت کے لئے آتے رہے۔

حکومت کے لوگ جن کا مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہے کہ فدائیانِ اسلام کو مال و دولت کے ذریعہ خرید لیں مگر خدا کا شکر کہ وہ اپنے اس مقصد میں کافی حد تک ناکام رہے۔ خود مجھے کئی بار بڑی سے بڑی رقم اور عالیشان مکان کی لالچ دی گئی مگر اللہ کا شکر کہ میں اپنے مشن میں بڑی ہی ثابت قدمی کے ساتھ لگا رہا۔

سوال۔ مصدق کے بارے میں نواب صفوی کا کیا خیال تھا؟

جواب۔ قیدخانہ کی زندگی کے دوران ہم لوگ باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے

اور نماز کے بعد بہ آواز بلند پہلوی بچے یعنی محمدّ رضا کے اُوپر لعنت کرنے کے ساتھ ہی خُداوند عالم کی بارگاہ میں اس کی نابُودی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ دوسرے قیدی ہماری ہمّت کو دیکھ کر حیران رہ جایا کرتے تھے کہ یہ آٹھ نو آدمی قیدخانہ میں مسلح فوج کے نرغہ میں بھی شاہ پلید کو لعنت و ملامت کر رہے ہیں اور ذرّہ برابر کوئی خوف و ہراس نہیں ہے۔

مرحُوم نواب ہمیشہ مصدق کے بارے میں نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کی باتیں مجھے اچھّی طرح سے یاد نہیں رہ گیئں۔ ہاں وہ ہم لوگوں کو یہی نصیحت کرتے کہ ڈرو مت کیوں کہ ذلّت و رُسوائی کی زندگی سے عزّت کی موت بہرحال بہتر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم لوگ موت سے کبھی خوف زدہ نہیں رہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ راہ حق میں موت کو گلے لگانے کے لئے ہمیشہ تیار رہا کرتے تھے اور ہر ساتھی اپنا وصیت نامہ اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا۔

سوال۔ اگر ممکن ہو تو بریگیڈیر قریب کے بارے میں کچھ واضح معلومات فراہم کریں؟

جواب۔ بریگیڈیر قریب اہل شاہ آباد میں سے تھے۔ جس زمانہ میں مرحوم نواب کتاب لکھنے میں مشغول تھے، کربا بیچان بھی وہاں آیا جایا کرتا تھا۔ بریگیڈیر قریب زمینی فوج سے متعلق تھے۔ فوج کا یہ واحد افسر تھا جو دیانتدار اور مذہبی کہے جاتے کا مستحق ہے۔ ایک بار اس نے مرحوم نواب سے کہا کہ میرے پاس سات فائر کا ایک روسی پستول ہے اگر ضرورت ہو تو حاضر کروں۔ کچھ دنوں بعد مرحوم نواب نے مجھے ایک دن ان کے پاس بھیجا کہ جاؤ

بریگیڈیر قریب کے پاس میری ایک امانت ہے اسے لے آؤ میں وہ خط لئے ہوئے بریگیڈیر کے گھر پہنچا۔ اسوقت وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے چائے پلائی۔ میں نے نواب کا خط ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک پیکٹ میں وہ ریوالور اور چھ عدد گولیاں لے آئے اور میرے حوالے کر دیا۔

میں نے گولیوں کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور پیکٹ لئے ہوئے نواب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ کتاب دُعا لے کر آیا ہوں (اسلحہ وغیرہ کے لئے ہم لوگ کتاب دُعا لفظ کا استعمال کرتے تھے)۔ مرحوم نواب نے فوراً ہی اس پیکٹ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اُسے دیکھنے کے بعد کہنے لگے اکبری! یہ تو بہت عُمدہ چیز ہے۔

میں نے جواب دیا جی ہاں۔ انشاء اللہ اس کا صحیح استعمال ہوگا۔ مختصر یہ کہ ایک روز ہم لوگ آقائے کریم آبادی کے گھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد شمس قنات آبادی بھی وہاں آگئے۔ مرحُوم نواب کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگے کہ ماحول سازگار ہے۔ آپ پارلیامنٹ کے الکشن میں حصّہ لیں۔ لوگ آپ کے حق میں ووٹ دیں گے اور آپ یقینی طور پر کامیاب ہوجائیں گے۔ پارلیامنٹ میں جانے کے بعد آپ اپنی بات کو اور زیادہ موثر انداز میں پیش کر سکیں گے۔

یہ سُن کر نواب صفوی کو بہت غصّہ آیا۔ اور کہنے لگے۔ آج کہدیا تو کوئی بات نہیں لیکن آئندہ اس بات کا تذکرہ کبھی نہ کرنا۔ میں کسی قیمت پر بھی شاہی پارلیامنٹ کی نمائندگی نہیں قبول کروں گا۔

بات چل رہی تھی کہ رضا پہلوی کا جنازہ لانے والے ہیں۔ نواب صفوی کے پاس بریگیڈیر قریب کا دیا ہوا پستول موجود تھا۔ ایک چھوٹا سا اسلحہ اور بھی تھا جس دن جنازہ لایا جانے والا تھا آقای ذوالفقاری نے نواب صفوی سے کہا کہ اگر آپ یہ ریوالور میرے حوالے کر دیں تو میں اس کو کثیف اور ظالم پہلوی گھرانہ کے اوپر آج ہی خالی کر دوں گا۔ اس کام کے لئے اس سے زیادہ کوئی اور مناسب موقع نہ ہوگا کیوں کہ جنازہ میں شرکت کی غرض سے سارے افرادِ خاندان ایک ہی جگہ پر جمع ہوں گے۔ اچھی خاصی بھیڑ ہو گی اور بھیڑ میں یہ کام بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ آقائے ذوالفقاری نے وعدہ کیا کہ وہ نہایت ہی بلند ہمتی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیں گے۔

نواب صفوی نے بڑے اطمینان کے ساتھ پستول کو آقائے ذوالفقاری کے حوالے کرتے ہوئے انھیں خدا حافظ کہا۔ اور وہ میدانِ عمل کی طرف آگے بڑھ گئے۔ میں نواب صفوی کے ساتھ کریم آبادی کے مکان پر ہی بیٹھا رہا۔ غروب آفتاب کے وقت ذوالفقاری واپس آئے اور بڑی بیقراری کے عالم میں بتایا کہ بہت زیادہ بھیڑ تھی اور کام نہیں ہو سکا۔ ساتھ ہی اسلحہ بھی پولیس کی گرفت میں چلا گیا۔ نواب صفوی کو یہ سُن کر قدرے افسوس تو ضرور ہوا لیکن انھوں نے کہا خیر کوئی بات نہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ادھر کمالی نے حکومت کو یہ خفیہ اطلاع دیدی تھی کہ نواب اور بریگیڈیر قریب کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ اور بریگیڈیر نے نواب کے پاس اسلحہ روانہ کیا ہے۔

چنانچہ اسی اثنا میں بریگیڈیر قریب کے گھر پر چھاپا مارا گیا۔ مگر وہ دیوار پھاند کر فرار ہو گئے۔ تلاشی کے دوران وہ لفافہ مل گیا جس کے ذریعہ نواب صفوی نے امانت طلب کی تھی۔ چنانچہ محکمہ کے دوران وہی لفافہ شناخت کی غرض سے میرے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

بریگیڈیر قریب کچھ دنوں تک فرار رہے لیکن بعد میں حاضر ہو گئے۔ چوں کہ میں نے اس لفافہ کی شناخت سے قطعی انکار کر دیا تھا لہذا اسلحہ دینے کی بات ثابت نہ ہو پائی اور بعد میں وہ بلا داغ رہا کر دیئے گئے۔

طلبِ شہادت

شہید نواب صفوی اپنی دعاؤں میں نہ صرف طلبِ شہادت کرتے تھے بلکہ عاشقوں کی طرح ہمیشہ شہادت کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے تھے۔

فدائیانِ اسلام کی اہم فرد اور نواب صفوی کے عزیز ترین دوست جناب فاطمی سے ایک گفتگو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس زمانہ میں نواب صفوی کو زندان قصر سے رہائی حاصل ہوئی، فدائیانِ اسلام نے مشہدِ مقدّس میں ایک عالی شان جلسہ کا پروگرام بنایا۔ یہ طے کیا گیا کہ کوئی شخص مشہد سے تہران جاکر نواب صفوی کو اس پروگرام کی اطلاع دے اور ان سے وعدہ بھی لے کہ کس تاریخ میں وہ مشہد تشریف لا سکتے ہیں تاکہ جلسہ کا پروگرام اسی تاریخ کو رکھا جا سکے۔ چنانچہ کچھ لوگ تہران آئے اور نواب صفوی سے ملاقات کی۔ انھوں نے کہا کہ ۲۵ رجب کو امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ ابنِ جعفر کی وفات ہے لہٰذا میں اس تاریخ کو مشہد آجاؤں گا۔ ادھر ہم لوگوں نے زبردست طریقے پر لوگوں میں اس بات کا پروپیگنڈہ کیا کہ فلاں تاریخ اور فلاں وقت پر رہبرِ فدائیانِ اسلام نواب صفویؒ ان کے ساتھی خلیل طہماسبی اور دوسرے اکابر علما مشہد تشریف لا رہے ہیں۔ قدآدم اشتہارات کے علاوہ ہم لوگوں نے تقریباً پچاس گاڑیاں اور کچھ کاریں کرایہ پر لے لیں تاکہ لوگوں کو آمد و رفت کی سہولت فراہم کی جا سکے۔

بالآخر وہ دن آگیا۔ ایسا لگتا تھا کہ سارا شہر تقریباً بند ہے۔ شہر کے اچھے خاصے لوگ ان کے استقبال کے لئے جمع ہو گئے۔ نواب صفوی اپنے ۴۳ جانباز ساتھیوں کے ہمراہ مقررہ وقت پر مشہد آ گئے۔ ہم لوگوں نے حرم کے قریب مہدیہ نامی جگہ پر فدائیانِ اسلام کے قیام کا معقول انتظام کر رکھا تھا۔ یہ جگہ کافی کشادہ تھی اور لوگوں کو آنے جانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی۔ مشہد کی یہ دیرینہ رسم ہے کہ اگر کوئی برگزیدہ شخصیت اس شہر میں داخل ہوتی ہے تو لوگ اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کی اچھی خاصی تعداد نواب کی زیارت کے لئے جمع ہو گئی۔ دستور کے مطابق صاحبِ مجلس ہر شخص سے اس کے حالات دریافت کیا کرتا تھا لیکن خلاف معمول نواب صفوی نے ہر ایک سے علیحدہ گفتگو کرنے کے بجائے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کر کے۔ مثلاً مذہبی رہنماؤں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے "مجھے اُمّید ہے کہ آپ لوگ ایک جانباز اور فداکار اسلامی سپاہی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہیں گے اور کفار و مشرکین کے خلاف اپنی جد و جہد کو جاری رکھتے ہوئے راہِ اسلام میں شہادت کو اپنے لئے باعثِ شرف سمجھیں گے۔ اس کے علاوہ کسی لمحہ بھی جہاد نفس سے غافل نہ ہوں گے۔ یعنی اگر انسان اپنے نفس پر غلبہ حاصل کر لے تو اسلام دشمن عناصر کے خلاف جہاد کرنے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوا کرتی"۔ مجھے یاد ہے کہ جو لوگ نواب کی ملاقات کے لئے آئے تھے ان میں سے کچھ لوگ اپنے سروں پر انگریزی ٹوپی لگائے ہوئے تھے۔ نواب نے ایسے لوگوں کو حکم دیا کہ پہلے ٹوپی اتار دو

تب اس سلسلہ میں گفتگو کروں گا۔ پھر آپ نے بتایا کہ "ظالم اور انگریزوں کے زر خرید غلام پہلوی حکمرانوں نے اس ٹوپی کو نیزہ کے بل پر ہم مسلمانوں کے سروں پر لاکر رکھ دی ہے۔ درحقیقت اس کا اسلام سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے سروں پر ایسی ٹوپی کا وجود اس بات کی واضح علامت ہے کہ ہم لوگ تہذیبی اعتبار سے اپنی روزمرّہ کی زندگی میں بھی انگریزوں کے غلام ہیں۔ ویسے مسلمان اپنے سر پر ٹوپی لگا سکتے ہیں لیکن ایسی ٹوپی سے جو انگریزوں کی غلامی ظاہر کرتی ہو قطعی پرہیز کرنا لازمی ہے۔ مسلمانوں کا خود اپنا ایک تمدن اور اپنی ایک تہذیب ہے پھر ضرورت ہی کیا ہے کہ دوسروں کی تہذیب کو اختیار کر کے اپنی تہذیب کو بھلا دیں"۔ ایسے لوگوں کو جو بظاہر مسلمان رہ گئے تھے لیکن اپنے کردار اور اعمال میں اسلامی احکام کی پابندی نہ کرتے تھے مخاطب کرتے ہوئے نواب صفوی نے نصیحت آمیز انداز میں ارشاد فرمایا "خود کو بظاہر مسلمان ثابت کرنا قطعاً بے سُود ہے کیوں کہ اسلام نے انسان کی باطنی پاکیزگی پر بڑا زور دیا ہے۔ ہمارے لئے واجب ہے کہ قرآنی احکام اور تعلیمات ائمہ معصومین کو نہ صرف یہ کہ اہمیت دیں بلکہ ان پر سختی کے ساتھ عمل پیرا بھی ہوں"۔ اس طرح نواب صفوی نے لوگوں کو ان کی ضرورت کے اعتبار سے نصیحت کی۔

کچھ دنوں تک یہ تبلیغی سلسلہ جاری رہا۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ پُورے مشہد میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ لوگوں کے طرز برتاؤ و گفتار میں اسلامی تہذیب نے زبردست جگہ بنالی ہے۔ وہ منظر واقعی دیکھنے لائق ہوا

کرتا تھا جب مشہد کے لوگ صدق دلی اور صفائے باطنی کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں نماز کیلئے صف بستہ ہو کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ خلوصِ دل اور باطنی پاکیزگی کے ساتھ نماز جماعت میں کھڑے ہوئے لوگ اکثر قنوت کی حالت میں گریہ کرنے لگتے تھے۔ نواب صفوی جملہ مستحبات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ اور فریضۂ بندگی کی ادائیگی میں انتہائی خضوع و خشوع سے کام لیتے تھے۔ نماز کے بعد اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہمیشہ یہی دُعا کرتے "پالنے والے شرف شہادت عطا کردے"۔ اکثر ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہتے "انشاء اللہ ہم لوگ خدا کی رہ میں شہید ہوں گے اور ایک نہ ایک دن ہماری کامیابی ہوگی۔ اسلام دشمن عناصر اور بڑی طاقتیں یقیناً ذلیل اور رسوا ہوں گی"۔ اگر کبھی نواب صفوی کو کسی اہم پروگرام میں شرکت کرنا ہوتا تو وہ نماز کو جلدی ختم کر دیا کرتے تھے۔

سیّد الشہدا امام حسین علیہ السّلام کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں ۳ شعبان کی شب میں جہدیہ میں محفل کا پروگرام تھا۔ عقیدت مند حضرات کی اچھی خاصی تعداد اس محفل میں شرکت کی غرض سے جمع تھی۔ نواب صفوی بھی اس محفل میں موجود تھے۔ تقریباً ۲۰ جوانوں نے ایک ساتھ مل کر قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کو سُن کر نواب صفوی کے اوپر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ قصیدہ کے خاتمہ کے بعد نواب نے ان بچوں کی بڑی تعریف کی اور ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر ہر ایک کو کچھ روپئے انعام بھی دیئے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ بڑے ہو کر

یہی بچے کفر اور ظلم کے خلاف کئے جانے والے مجاھدہ میں برابر شریک رہا کرتے تھے۔ اکثر ان بچّوں نے گفتگو کے دوران بتایا کہ نواب صفوی نے ہم لوگوں کے سر پر جو شفقت بھرا ہاتھ پھیرا تھا اور ہمارے حق میں جو دُعائیں کی تھیں وہ ہمیں آج بھی یاد ہیں۔ اور اس کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں میں باقی رہے گی۔

غرض کہ تقریر اور ملاقات کا یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلتا رہا۔ نواب کی تقریر کو سننے کے لئے دُور دُور سے لوگ مہدیہ میں آجایا کرتے تھے اور اچھی خاصی بھیڑ ہوجایا کرتی تھی۔ ان کا اندازِ بیان دوسرے مقررین سے بالکل ہی علحدہ تھا۔ شروع سے آخر تک انتہائی دلچسپ اور موثر انداز میں حکومت کی بدعنوانیوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور غیر اسلامی حرکتوں کے لئے حکومت اور اس کے غلاموں کو ذمّہ دار ٹھہرایا کرتے تھے۔ اپنی تقریر کے دوران نواب صفوی ان لوگوں کی بھی سخت مذمّت کیا کرتے تھے جو حکومت کے خوف سے اسلامی احکام کی پابندی میں لاپرواہی اور کوتاہی سے کام لیتے تھے۔ ان کی تقریر سُن کر لوگوں میں جوش کا دریا امنڈنے لگتا تھا اور بے تحاشہ نعرے بلند کرنے لگتے تھے۔ ان کی تقریر کا اہم اور خاص موضوع یہ ہوا کرتا تھا کہ عوام کو صدق دلی کے ساتھ مذہبی رہنماؤں کی مدد کرنی چاہئے تاکہ حکومت کی غیر شرعی حرکتوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں آپ قیدخانہ میں مجاھدین اسلام پر کئے گئے مظالم کا تذکرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی تقریر کے دوران آپ نے کہا کہ حکومت کے ظالم اور خونی افسران دوسرے لوگوں کے ہمراہ آقائے محمّد واحدی کو بھی گرفتار کرکے لے گئے حالاں کہ ان کی عمر صرف تیرہ ۱۳ برس کی تھی۔

حاضرین مجلس میں سے ایک بزرگ نے انتہائی حسرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کیا حکومت کم سن بچوں کو بھی گرفتار کر کے قیدخانہ میں ڈال دیا کرتی ہے۔ آپ نے جواب دیا ظالم حکومت کی نگاہ میں کم سن بچوں، سن رسیدہ بزرگوں اور نوجوانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ کم عمر بچوں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے بلکہ انھیں بھی اذیت و سختی کی انھیں منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے جو دیگر مجاھدین اسلام کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ اور انسانیت دشمن حکومت کو ان کی کمسنی پر ذرّہ برابر ترس بھی نہیں آتا۔

اگر ظالم شاہی حکومت کو یہ محسوس ہو گیا کہ کوئی بچّہ بڑا ہونے کے بعد اس کی ظالمانہ اور غیر انسانی روش کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے تو اُسے فوراً ہی گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت محمّد واحدی کو بھی قید کر لیا گیا تھا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہہ دینا مناسب ہو گا کہ نواب صفوی نہایت ہی دلیرانہ انداز میں حکومت کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ انھیں اس کی قطعی پرواہ نہ تھی کہ اس مخالفت کا انجام کیا ہو گا۔

کچھ عرصے بعد ہم لوگوں نے نواب صفوی کو دوبارہ مشہد آنے کی دعوت دی۔ لیکن اپنی مصروفیت کی وجہ سے انھوں نے اس بار معذرت کر لی اور اپنی جگہ آقای طہماسبی کو بھیج دیا۔ مشہد کے لوگوں نے مجاھد اسلام طہماسبی کا بھی زبردست خیر مقدم کیا۔ اور بہت سارے لوگ ان سے ملاقات کی خاطر ان کی اقامت گاہ پر جمع ہو گئے۔ اس طرح باجماعت نماز اور تقریروں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا

شروع کے دو دن تقریروں میں کسی قسم کی کوئی بدعنوانی نہ ہوئی اور انتہائی پُرسکون ماحول میں یہ تقریریں انجام پا گئیں۔ پولیس اور دیگر انتظاماتی شعبہ کے لوگوں نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کیا۔ لیکن تیسرے دن پولیس چیف اسفندیاری آقای طہماسبی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ اپنی تقریروں میں حکومت کے خلاف کوئی بات کہنے سے پرہیز کریں تو زیادہ بہتر ہوگا ورنہ حکومت وقت نے میرے اُوپر جو ذمہ داری عائد کی ہے، مجبوراً مجھے اس ذمّہ داری کو پُورا کرنا پڑے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس نے آقای طہماسبی کو دھمکی دی اور واپس چلا گیا۔

مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک رات مسجد میں آقائے طہماسبی نے اپنی تقریر کے دوران مصدق کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے مصدق ایک دھوکے باز آدمی کا نام ہے جس نے ہم لوگوں کے ساتھ فریب اور ریاکاری سے کام لیا۔ اس نے ظالم حکومت سے ذاتی مفاد کی خاطر موافقت کی ۔ اور ہم لوگوں کو دھوکے میں ڈالے رکھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے شاہ کی زوجہ ثریا کے ہاتھوں کو بوسہ بھی دیا۔ اور شاہی حکومت کی طرف سے کیے جانے والے مظالم کو نظر انداز کیا ۔ حالاں کہ اس کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ وہ ایسے شخص کی بیوی کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہا ہے جو ملک میں فتنا و فساد کی جڑ ہے اس کے علاوہ نمائندہ نواب صفوی یعنی آقای طہماسبی نے مسجد گوہر شاد میں رونما ہونے والے انسانیت سوز واقعہ کی طرف واضح اشارہ بھی کیا اور بتایا کہ ظالم حکومت کے لوگوں نے نمازیوں کے ساتھ کس بے رحمی کا سلوک کیا۔ اس تقریر کے بعد پولیس افسروں نے طہماسبی سے کہا کہ اگر آپ آئندہ اس قسم کی تقریر کریں گے تو مجھے آپ کے خلاف سخت قدم

اٹھانا پڑے گا۔

یہ سُن کر آقای طہاسبی کو بہت غصّہ آیا۔ آپ مسجد تشریف لائے اور نماز کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "مشہد کے پولیس افسروں نے مجھ سے اس قسم کی گفتگو کی ہے ویسے تہران میں رزم آرا جیسے لوگوں کو فدائیانِ اسلام نے ان کی طرف لگا دیا اور اب وہ ہم سے اس قسم کی گفتگو کرنے کی ہمّت بھی نہیں کرتے۔" مختصر یہ کہ مسجد سے واپسی کے بعد انھوں نے پولیس افسروں سے کہا کہ میں تم لوگوں سے کسی قسم کی موافقت و مفاہمت کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ تمہاری جو مرضی ہو وہ کرو۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے اُسے میں ہر قیمت پر پُورا کروں گا۔

ایک رات پولیس والوں نے تقریباً تین سو غنڈے بدمعاشوں کو جمع کیا اور کہا کہ تم لوگ آقای طہاسبی کی تقریر کے دوران ہنگامہ برپا کرنا تاکہ وہ اپنی بات لوگوں تک نہ پہنچا سکیں۔ سردی کا موسم تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہم لوگ مسجد پہنچے تو وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ بہرحال نماز کے بعد آقائے طہاسبی نے انتہائی عالمانہ شان سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس کی طرف سے بھیجے گئے غنڈوں نے ہنگامہ کھڑا کرنے کی غرض سے بے محل نعرۂ صلواۃ بلند کرنا شروع کر دیا یہ دیکھتے ہی آقائے طہاسبی نے ان لوگوں کو ایک زوردار ڈانٹ لگائی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے اور نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ ان کی تقریر ختم ہوئی۔

اس کے بعد ہم لوگ زیارت کی غرض سے حرم پہنچے۔ تقریباً آدھے

گھنٹے کے بعد وہاں سے باہر نکلے۔ پروگرام کے مطابق حاجی مدبّر کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک چوراہے پر اچھّی خاصی بھیڑ اکٹھا تھی اور لوگوں میں مار پیٹ ہورہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پولیس آپہنچی اور آتے ہی اس نے مجمع کو منتشر کرنے کے لئے دو تین ہوائی فائر کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خاموش ہوگئے اور اچھّی خاصی سنسنی پھیل گئی۔ اس کے فوراً بعد وہ لوگ ایک گاڑی لئے ہوئے آقائے طہماسی کے پاس آئے اور کہنے لگے حالات ٹھیک نہیں ہیں لوگوں نے ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔ اس گاڑی میں بیٹھ جائیں تاکہ آپ کو حفاظت کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ غرض کہ ہم سبھی لوگ اس پولیس گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور وہ لوگ ہمیں طبس روڈ پر واقع پولیس اسٹیشن لے آئے۔ وہاں پہنچتے ہی تقریباً پانچسو پولیس ملازمین نے ہماری گاڑی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس موقع پر ہمیں نواب صفوی کی وہ ھدایت یاد آگئی کہ اگر کسی وقت پولیس کے گھیرے میں آجاؤ تو آسانی کے ساتھ خود کو ان کے حوالے کرنا اچھّی بات نہ ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ ان سے زدوکوب کرو چاہے تم تنہا ہو اور وہ لوگ پندرہ بیس کی تعداد میں ہوں۔ چنانچہ ہم لوگوں نے گاڑی سے نیچے آتے ہی پولیس افسران سے زدوکوب شروع کردی۔ تھوڑی دیر بعد اس پولیس اسٹیشن کا انچارج اپنے کمرے سے باہر آیا اور کہنے لگا۔ بھائیو! آپ لوگ کیوں جھگڑا کرتے ہو، ہماری آپ لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ پولیس والوں نے آپ کے ساتھ جسارت سے کام لیا ہے جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ دراصل مجھے پولیس چیف شہریاری نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو ان کے پاس پہنچادوں۔ میرا خیال ہے سارے

معاملات وہاں چل کر طے ہو جائیں گے۔ غرض کہ اس کے اس فریب میں آکر ہم لوگ دوبارہ پولیس گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور بجائے پولیس اسٹیشن کے وہ لوگ ہمیں قید خانہ لے آئے۔

دو دنوں تک ہم لوگ قید خانہ میں پڑے رہے۔ ادھر جب نواب صفوی کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں تو انھوں نے ہماری آزادی کیلئے کوشش کرنا شروع کر دی۔ اس زمانہ میں میجر علوی مقدم انسپکٹر جنرل پولیس تھے۔ نواب صفوی نے انھیں پیغام بھیجا کہ اگر طہماسی اور ان کے ساتھیوں کو ۴۸ گھنٹے کے اندر رہا نہ کر دیا گیا تو یہ بات پولیس اور حکومت کے دوسرے شعبوں کے لئے خطرناک ثابت ہوگی۔ اور ہم لوگ خود ہی ان کی رہائی کا بندوبست کر لیں گے۔

نواب صفوی کی اس دھمکی کا یہ اثر ہوا کہ علوی مقدم نے فوراً ہی متعلقہ پولیس افسران کو ٹیلیفون کے ذریعہ حکم دیا کہ طہماسی اور ان کے ساتھیوں کو جتنی جلدی ممکن ہو آزاد کر دیا جائے۔ اور اس طرح ہم لوگ آزاد کر دیئے گئے۔

قید خانہ میں قیام کے دوران ہم لوگوں سے مزید معلومات فراہم کرنے کی غرض سے عدالت میں بھی پیش کیا گیا۔ سوال وجواب کے دوران ہم سے دریافت کیا گیا کہ آپ لوگ مسجد کیوں آئے تھے؟ ہم نے کہا "طہماسی صاحب ہمارے دوست ہیں لہذا ان کے ساتھ مسجد آئے تھے تاکہ ان کی نصیحت آمیز تقریر سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ تقریر کے دوران شاہ وقت کی توہین اور بے حرمتی کی گئی اور تم لوگ خوشی خوشی

بیٹھے رہے تاکہ آقائے طہاسبی کے شاہ مخالف جذبات کو تقویت حاصل ہو ہم لوگوں نے کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ طہاسبی صاحب نے اپنی تقریر کے دوران شاہ کی توہین قطعی نہیں کی بلکہ انھوں نے اپنی باتوں کے ذریعہ کسی حد تک اس کی رہنمائی بھی کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ انھوں نے تو اپنی شرعی ذمہ داری پوری کی ہے اور تیسری چیز یہ کہ اپنے اعمال کے لئے وہ خود جوابدہ اور ذمّہ دار ہیں ہم لوگوں کا جواب سُن کر عدالتی افسر خاموش ہوگیا اور دس ہزار روپیہ ضمانت پر ہم لوگ رہا کر دیئے گئے۔ رہائی کے بعد آقائے طہاسبی کو پولیس کی گاڑی سے فوراً ہی تہران بھیج دیا گیا۔

کچھ دنوں بعد نواب صفوی کے بلانے پر ہم لوگ بھی تہران پہنچ گئے۔ اس زمانہ میں وہ ری نامی محلّے میں ایک کرایہ کے مکان میں رہا کرتے تھے۔ ہم لوگ رات کے وقت ان کے گھر پہنچے۔ انھوں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہم لوگوں کو خوش آمدید کہا۔ نماز جماعت کے فوراً ہی بعد انھوں نے صفات مومن کے موضوع پر بولنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے کہ ایک مرد باایمان کے لئے لازمی ہے کہ ہر وقت وہ گناہ سے پرہیز کرتا رہے۔ اور خدانخواستہ نادانستگی میں اگر کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو فوراً ہی پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ اس لئے کہ پروردگار گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

تقریر کے دوران وہ اپنی بات کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے بڑی ہی دلچسپ اور برمحل مثالیں دیا کرتے تھے تاکہ معمولی سمجھ والے کے ذہن میں بھی ان کی بات اپنی جگہ بنالے۔ مومن کی صفات بیان کرتے کرتے

انھوں نے ایک موم بتّی منگائی اور دروازہ کے قریب ہی اُسے روشن کر کے رکھ دیا۔ دروازہ سے ہلکی ہلکی ہوا آرہی تھی۔ جس کے اثر سے اس موم بتّی کی لو کبھی اس طرف جُھک جاتی اور کبھی اس طرف۔ آپ نے حاضرین مجلس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ بھائیو! مومن کی مثال بس اس روشن کی گئی شمع جیسی ہے۔ ہلکا اور معمولی سا گناہ بھی مومن کو پروردگار کے سچّے راستے سے اسی طرح ہٹا دیا کرتا ہے جس طرح شمع کی لو ہوا کے معمولی جھونکے سے اِدھر اُدھر ہو رہی ہے۔

سوال:۔ کیا وہ ان کی خفیہ زندگی کا زمانہ تھا؟

جواب:۔ نہیں اس زمانہ میں وہ قدرے آزادی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اپنا ایک دفتر بنا رکھا تھا۔ اکثر احباب و مخلصین وہاں اکٹھا ہو جایا کرتے تھے اور نواب صفوی نماز کے بعد مختلف دینی موضوعات پر تقریر کیا کرتے تھے۔ اس طرح ہم لوگ وہاں تقریباً پندرہ روز مقیم رہے۔

سوال: مشہد مقدس میں فدائیانِ اسلام کی کیا تعداد تھی؟

جواب:۔ گو کہ ممبر شپ کا کوئی مرتب اور اصولی طریقہ نہ تھا کہ لوگ آکر اس جماعت میں شامل ہونے کے لئے اپنا نام لکھاتے لیکن پھر بھی تقریباً پندرہ سولہ لوگ ایسے تھے جنھیں فدائیانِ اسلام کے سرگرم رکن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

سوال: مشہد کے عام لوگوں کا فدائیانِ اسلام کے بارے میں کیا خیال تھا؟

جواب شہر کے زیادہ تر لوگ اس جماعت کو پسند کرتے تھے اور نہایت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن حکومت کے خوف کی وجہ سے لوگ

اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اس جماعت کی سرگرمیوں میں باقاعدہ حصّہ لینا شروع کیا تو حکومت کے غلام ان کا جینا دوبھر کردیں گے۔

سوال :- کیا مصدّق فدائیانِ اسلام کا مخالف تھا اور ان کی سرگرمیوں میں رکاوٹیں پیدا کیا کرتا تھا؟

جواب :- جی ہاں! اس وقت مُلک میں مصدق کی حکومت تھی۔ اور وہ فدائیانِ اسلام کی طرف سے شائع ہونے والے اخباروں کی سختی سے مخالفت کرتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان دنوں فدائیان کی جانب سے شائع ہونے والے "منشور برادری" اور "نبرد ملّت" نامی اخباروں پر مصدّق کی حکومت نے زبردست پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ خاص طور پر نبرد ملّت مصدّق کی حکومت پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ حکومت کی طرف سے کی جانے والی غیر قانونی حرکتوں پر اس کی کڑی نگاہ تھی اور اس کے خلاف وہ زبردست ناقدانہ رپورٹ چھاپا کرتا تھا اور کارٹون وغیرہ کے ذریعہ حکومت کی غیر قانونی حرکتوں کا بھانڈا پھوڑ دیا کرتا تھا۔ لیکن کچھ دنوں بعد اخبار کا مالک کرباسچیان فدائیان اسلام سے الگ ہو گیا چنانچہ اس اخبار میں وہ بات باقی نہ رہ گئی اور اس کی جگہ "منشور برادری" نے لے لی۔ یہ وہ پرچہ تھا جس میں خود نواب صفوی بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے اور ان کے لکھے ہوئے زیادہ تر مضامین اسی اخبار میں چھپا کرتے تھے۔ نہ صرف نواب صفوی بلکہ فدائیانِ اسلام کے دیگر سرگرم اراکین مثلاً آقائے محمّد واحدی اور آقائے حسین واحدی کے زبردست مضامین

اسی اخبار میں چھپے ہیں جس میں ان لوگوں نے مصدّق کی حکومت کی غیر قانونی باتوں پر کُھلّم کُھلّا بحث کی ہے ۔

سوال :۔ کیا مصدّق، فدائیانِ اسلام کی اعلانیہ مخالفت کرتا تھا ۔؟

جواب :۔ میں نے کبھی نہیں سُنا کہ مصدّق نے فدائیانِ اسلام کی کُھلّم کُھلّا مخالفت کی ہو یا اُسے ایک منحرف جماعت کی حیثیت سے پیش کیا ہو لیکن اپنے خاص لوگوں کے درمیان وہ اکثر کہا کرتا تھا " میری حکومت کے لئے سب سے بڑا اور خطرناک گروہ فدائیانِ اسلام ہے ۔ میں ان لوگوں سے بہت ڈرتا ہُوں کیوں کہ یہ لوگ اپنی بات پر اٹل رہا کرتے ہیں اور دینی مسائل میں حکومت سے کسی قسم کی مفاہمت کے قائل نہیں ہیں " مصدّق کے دورِ حکومت میں آیۃ اللہ کاشانی نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ اور کوئی نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا ۔ نظر بندی کے دنوں میں ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور کسی نے اس کے خلاف آواز تک نہ اٹھائی ۔ ایک روز ہم لوگ نواب صفوی کے مکان پر جمع تھے ۔ پتہ چلا کہ تہران پولیس کا افسر اعلیٰ ظہر کے وقت کسی اہم موضوع پر گفتگو کے لئے وہاں آنے والا ہے ۔

ہم لوگ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے نواب صفوی کی تقریر سُن رہے تھے وہ دینی اور سیاسی موضوع پر گفتگو کرنے میں اتنا محو تھے کہ کمرے میں داخل ہونے والے نئے لوگوں کی انھیں قطعی کوئی پرواہ نہ تھی ۔ اسی اثنا میں کچھ لوگوں نے خبر دی کہ ایران پولیس کا افسر اعلیٰ آگیا ہے لیکن اس خبر کا مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا اور سب لوگ تقریر سُننے میں محو رہے ۔ میں نے سوچا کہ اتنا بڑا افسر

آنے والا ہے اس کے آتے ہی لوگ احترام کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن اس کی آمد سے مجمع پر کوئی ردِعمل نہ ظاہر ہوا۔ سب لوگ تقریر سننے میں لگے رہے۔ نواب صفوی نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے اسے اشارہ کیا کہ قریب کے کمرہ میں بیٹھ جائے حاضرین جلسہ نے اس قدر بے توجہی کا ثبوت دیا کہ کسی نے اسے سلام تک نہ کیا کھڑے ہو کر تعظیم کرنا تو بہت بڑی بات تھی۔

وہ پولیس افسر اس قسم کے ردِعمل کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ بوکھلا گیا کہ آخر یہ کس قسم کے لوگ ہیں کہ حکام وقت کی قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ بہرحال وہ سر جھکا کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور سگریٹ پینے لگا۔

نواب صفوی نے اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد آبادان اور نیشاپور سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کی پریشانیوں کے سلسلہ میں اس پولیس افسر سے گفتگو کرنی شروع کی۔ ہم لوگ کمرہ کے باہر آگئے۔ آپ نے اسے بتایا کہ مقامی پولیس ان لوگوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے اور آپ جیسے افسران اس بات سے قطعی ناواقف ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے فوراً ہی کوئی اقدام کیا جائے۔ وہ پولیس افسر نواب کے سامنے اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے کوئی ماتحت افسر اپنے حاکم سے ضروری ہدایات لے رہا ہو۔

درحقیقت نواب صفوی کا اخلاق دوسرے لوگوں سے بالکل الگ تھا۔ اگر کوئی بوڑھا شخص ان سے ملنے کے لئے آجاتا تھا تو وہ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ خاص طور پر وہ ان لوگوں

کا بہت احترام کرتے تھے جنھوں نے راہِ اسلام میں اپنی زندگی بسر کرنے کے ساتھ ہی ایسے نوجوانوں کو تربیت دی ہو جو اسلام کی خدمت کے لیے ہر وقت آمادہ ہوں۔ سماجی خدمت گزاروں کے لئے بھی ان کے دل میں بڑی جگہ تھی۔ اس کے برخلاف اگر صوبہ کا گورنر یا علاقے کا اور کوئی بلند مرتبہ حاکم اگر ان سے ملنے آتا تو اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ لیکن ایسے سرکاری حکاّم کی بھی عزت کرتے تھے جو ظالم اور اسلام دشمن حکومت کی ملازمت کے باوجود اسلام کی خدمت کے لئے آمادہ رہا کرتے ہوں۔ اکثر سرکاری افسروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے کہ اگر تمہارا حاکم تمہیں کسی ایسے کام کا حکم دے جو غیر اسلامی ہو تو اس کی حکم عدولی لازمی ہے۔ یعنی غیر اسلامی ہو تو اس کی حکم عدولی لازمی ہے۔ یعنی غیر اسلامی احکام کی قطعی پابندی نہ کیا کرو۔

نواب صفوی کے سلسلہ میں یہ بتانا بھی لازمی ہے کہ ان کے خط لکھنے کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ ان کے بہت سارے خطوط اس وقت بھی میرے پاس موجود ہیں جن کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ ان کے خطوط مفید مشوروں، لازمی ہدایات اور تبلیغ دین سے معمور ہیں۔ اکثر دریافت کرتے کہ آخر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اب تک کیا خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے خط کے مطالعہ کے بعد شہادت، جاں نثاری اور دین کی راہ میں قربانی پیش کرنے کا جذبہ اجاگر ہو جایا کرتا تھا۔ اکثر لکھا کرتے تھے کہ تم مشہد مقدس میں قیام پذیر ہو لہذا یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ جوارِ امام رضاؑ میں کوئی غیر شرعی کام نہ ہونے پائے اور لوگ ائمہ کے بتائے گئے راستوں کو ہی اپنی زندگی کا شعار بنالیں

ان دنوں ایّام عزا کے دوران بھی سینما گھر بند نہیں ہوتے تھے سوائے یہ کہ شب شہادت ہونے والا سینما پروگرام نہیں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اس سلسلہ میں گورنر سے ملاقات کی اور اسے اس بات پر مجبور کر دیا کہ محرم اور صفر کے مہینوں میں تمام سینما گھر بند کر دیئے جائیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سینما گھروں میں کام کرنے والے تقریباً تین سو لوگ بے روزگار ہو گئے انھیں دو مہینے کی تنخواہ نہیں ملی۔ سینما گھر کے مالکوں نے کہا کہ ہم کو فدائیانِ اسلام سے خطرہ ہے لہٰذا نہ ہم سینما گھر چلائیں گے اور نہ ہی تنخواہ دیں گے۔ اگر تنخواہ لینا ہے تو علماء دین کے گھر جا کر مظاہرہ کرو اور ان سے اجازت لے آؤ کہ سینما گھر چالو کر دیا جائے اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو پھر ان دو مہینوں کی تنخواہ انھیں سے مانگ لینا۔ چنانچہ ایک اچھی خاصی بھیڑ آیۃ اللہ اردبیلی کے گھر پر جمع ہو گئی۔ اور اس بات کا زبردست مطالبہ کیا کہ اگر سینما گھر بند کر دیا ہے تو ہماری روزی روٹی کا بندوبست کرو۔ آیۃ اللہ اردبیلی نے جواب دیا کہ تم لوگ جو کام کرتے ہو وہ شریعت کی نگاہ میں قطعی حرام ہے۔ سینما گھروں کے کھلنے کے بعد بھی اگر تم لوگ وہاں کام کرتے ہو تو اس کام سے حاصل کی گئی روزی روٹی تمہارے لئے حرام ہے۔ چنانچہ اب تک تم لوگوں نے جو گناہ کیا ہے اس کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کر لو اور اپنے لئے کسی دوسرے کام کا انتخاب کر لو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

بہرحال ہم لوگوں کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ مشہد کا گورنر اور وہاں کے اعلیٰ پولیس افسران فدائیانِ اسلام سے وابستگی کی وجہ سے ہمارے

پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ایک بار ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مشہد میں جتنی شراب کی دوکانیں ہیں وہ بالکل بند کروادی جائیں۔ چنانچہ ہم لوگ گورنر اور پولیس چیف مشہد کے پیچھے پڑ گئے کہ جتنی جلد ممکن ہو اس مقدس شہر میں پائی جانے والی شراب کی تمام دوکانیں بند کر دی جائیں ورنہ اس کا انجام برا ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ان دوکانداروں کے پاس سرکاری اجازت نامہ موجود ہے اور حکومت کی طرف سے ہمارے پاس ایسا کوئی حکم نہیں ہے پھر یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ ان دکانوں کو بند کروا دیا جائے۔ ان لوگوں کی اس بات سے ہمیں قطعی اطمینان نہیں ہوا اور اس سلسلہ میں فدائیان اسلام کی یہ کوشش برابر جاری رہی کہ شراب کی یہ دوکانیں بند کر دی جائیں۔ ہماری لگاتار کوشش اور دھمکیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ شراب بنانے والی فیکٹری مشہد سے قوچان نامی علاقے میں منتقل کر دی گئی۔ اس کے بعد بھی فدائیان اسلام نے خاموشی نہیں اختیار کی۔ ہم لوگ کئی بار رات میں قوچان روڈ پر اس تاک میں بیٹھے رہتے کہ جب اس راستہ سے شراب سے بھری گاڑی گزرے گی تو اسے آگ لگا دیں گے۔ ایک بار ہم لوگ قوچان روڈ پر واقع اس شراب کی فیکٹری میں جبراً گھس گئے اور وہاں اچھی خاصی توڑ پھوڑ اور ہنگامہ برپا کر دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شراب فروشی جو بطور اعلانیہ ہوا کرتی تھی بالکل ختم ہو گئی۔ اور فدائیان اسلام کے خوف کی وجہ سے لوگ پوشیدہ طور پر یہ کام کرتے تھے لیکن کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ کھلے عام شراب نوشی کرے۔ گو کہ ہم لوگ از روی تعداد بہت کم تھے لیکن لوگوں کی یہ مجال نہ ہوتی کہ ہم لوگوں کے سامنے کوئی بھی غیر شرعی

حرکت کر سکیں۔

سوال :- کیا آپ لوگ باقاعدہ مسلح ہوا کرتے تھے ؟

جواب :- نہیں ہم لوگوں کے پاس از قسم اسلحہ کوئی چیز نہ تھی ۔ ہم لوگوں کا پروگرام یہ تھا کہ مسلح کارگزاری کا آغاز تہران سے کیا جانا چاہیئے کیوں کہ حکومت پر قبضہ حاصل کرنا تہران ہی میں ممکن تھا۔ مشہد میں ہم لوگ صرف وہی کام کیا کرتے تھے جس میں عام لوگوں کی بھلائی شامل ہو۔ مثلاً جہاں کہیں غیر شرعی کام ہو ان کی روک تھام کی جاتی ۔ محرم اور صفر کے دوران یہ رسم تھی کہ رات کی مجلسوں میں تمام مرد اور عورتیں ایک ہی صحن میں جمع ہو جایا کرتے تھے اور مستورات کیلئے پردہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ کچھ شوخ اور بے شرم قسم کی لڑکیاں تو شانہ بہ شانہ چلنے میں فخر محسوس کیا کرتی تھیں ۔ میں نے نائب متولی آقائے علی معتمدی کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ مردوں کی مجلس میں عورتوں کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی جانی چاہیئے ۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ظہر سے لے کر رات بارہ بجے تک صحن مجلس میں عورتوں کا داخلہ قطعی ممنوع ہوگا ۔ اس سلسلہ میں آقائے معتمدی نے ہم لوگوں کی بڑی مدد کی اور ہمارے ساتھ اس کام میں برابر شریک رہے۔ شروع شروع کچھ عورتوں نے احتجاج کیا اور حکومت کی طرف سے مقرر کئے گئے لوگوں نے بھی پوشیدہ طور پر ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہی لیکن فدائیانِ اسلام کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے ۔ چنانچہ صحن مجلس میں عورتوں کا داخلہ قطعی ممنوع قرار دے دیا گیا اور یہ پروگرام دو برس تک نہایت پابندی کے ساتھ قائم رہا۔

اسی طرح پولیس والوں کی سرپرستی میں کچھ ایسے خفیہ مکانات تھے جہاں عورتیں جسم فروشی کیا کرتی تھیں۔ گو کہ سرکاری طور پر اس کی اجازت نہ تھی لیکن پولیس والے رشوت لیکر جسم فروشی کے ان ناجائز اڈّوں کو اپنی نگرانی میں چلایا کرتے تھے۔ جہاں تک مشہد کا سوال ہے فدائیانِ اسلام کو اس شہر کے گوشے گوشے کی اطلاع رہا کرتی تھی۔ جیسے ہی یہ پتہ چلتا کہ فلاں مکان میں جسم فروشی کا کام شروع ہو گیا ہے اسی وقت ہم لوگ پولیس کے اعلیٰ افسران کے پاس پہنچ جایا کرتے کہ فوری طور پر اس غیر شرعی اور غیر اخلاقی حرکت کو روکا جائے۔ ان لوگوں کی یہ کوشش ہوا کرتی کہ کسی طرح اس معاملہ کو باتوں باتوں میں ہی ٹال دیا جائے مگر ہم لوگ انھیں ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا کرتے تھے۔ آخر کار اس غیر شرعی حرکت پر اچھی خاصی پابندی عائد ہو گئی اور فدائیانِ اسلام کی مسلسل کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی عورت آسانی سے جسم فروشی کا دھندہ نہ اختیار کر پاتی تھی۔ اسے یہ یقین تھا کہ پولیس رشوت خوری کے باوجود ان کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

سوال :۔ مصدّق کی حکومت کا تختہ الٹ جانے کے بعد فدائیانِ اسلام کا مشہد مقدس میں کیا ردِ عمل تھا؟

جواب :۔ چوں کہ مصدّق اور زاھدی دونوں ہی غیر اسلامی لوگ تھے اور غیر اسلامی سیاست پر عمل پیرا تھے لہذا ان کی حکومت کے گرنے کا فدائیانِ اسلام پر قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کی حکومت کے دوران ہم لوگوں پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں پھر بھی ہم لوگ ان پابندیوں سے قطعی مایوس

نہیں ہوئے اور اپنا مشن جاری رکھا۔

خود مرحوم نواب صفوی اپنی روپوشی کی زندگی میں اس بات کے لئے کوشاں رہا کرتے تھے کہ زاہدی جیسے غیر اسلامی لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ ان دنوں تیمور بختیار حفاظتی تنظیم کا انچارج تھا اور آئے دن نواب صفوی کو پریشان کیا کرتا تھا۔ اکثر ٹیلیفون پر گفت گو کرتے ہوئے نواب صفوی نے بدبخت بختیار کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا " اگر تم لوگ مجھے قتل کر دو گے تو ایسا نہیں ہے کہ تم محفوظ رہ جاؤ گے۔ ہمارے ساتھی تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ و سلامت نہیں چھوڑیں گے۔ زاھدی کے بعد بھی فدائیان اسلام کے نقطۂ نگاہ میں قطعی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کے بعد حسین علا نامی شخص نے وزارت عظمیٰ کی کرسی سنبھال لی۔ وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالتے ہی علاء نے فیصلہ کیا کہ ملک کی خارجہ پالیسی کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائے اور بغداد سے معاھدہ کرلے۔

اس موقع پر نواب صفوی نے محسوس کیا کہ اب کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا ہے سوائے یہ کہ کوئی اہم اقدام کیا جائے۔ حکومت کا ارادہ تھا کہ ایسا فوجی معاہدہ کرلیا جائے جس کی رو سے معاھدہ میں شریک ملکوں کے خلاف اگر کوئی دوسرا ملک حملہ آور ہو تو یہ تنہا اس ملک کے خلاف اعلانِ جنگ نہ ہوگا بلکہ فوجی معاھدہ میں شریک دیگر ملکوں کے خلاف بھی جنگ کی حیثیت رکھے گا۔ حالاں کہ اسلام میں اس کی قطعی گنجائش نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم ملک کے ساتھ کسی قسم کا ذلّت آمیز معاہدہ کیا جائے۔

اس معاہدے کے خلاف ہم لوگوں نے کیہان اور اطلاعات نامی اخباروں میں زبردست بیانات جاری کئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنے غم و غصہ کو ظاہر کرنے کی غرض سے ان دونوں اخباروں نے ایک روز کی ہڑتال بھی کی۔ لیکن ظالم حکومت کے اُوپر ان باتوں کا قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔ آخرکار حسین علاء پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر افسوس کہ یہ حملہ ناکام رہا۔ ان واقعات کے بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ فدائیانِ اسلام ملک میں ہوتے والے ظلم و جور کے خلاف اپنی جد و جہد میں لگے رہے اور ایک لمحہ بھی سکون سے نہیں بیٹھے۔ ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہے کہ تمام لوگ حکومت کی غیر اسلامی حرکتوں کے خلاف متحد ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو سکے۔ فدائیانِ اسلام صراطِ مستقیم کے حقیقی پیرو تھے لیکن یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اسلامی منصوبوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

سوال:۔ ان واقعات کو پیش آئے ہوئے ایک طویل مدت گزر گئی۔ اس درمیان آپ نے اس سلسلہ میں باقاعدہ غور و فکر بھی کی ہوگی۔ آخر آپ کی نظر میں وہ کون سی کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے فدائیانِ اسلام کی یہ تحریک اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی؟

جواب:۔ پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ نواب صفوی کی عمر بہت کم تھی۔ لوگوں کو جلدی سے یقین نہیں آتا تھا کہ ایک نوجوان لڑکا بھی دینی مسائل میں اس قدر گہری دلچسپی رکھ سکتا ہے اور اس کے ذریعہ کسی اہم اسلامی منصوبے کی تشکیل کی جا سکتی ہے اگر نواب صفوی نے اپنی باتوں کو پچاس ساٹھ

برس کی عمر میں لوگوں کے درمیان پیش کیا ہوتا تو یقیناً اس کا اثر کچھ اور ہوتا۔ ان کی انتہائی اہم اور گہری باتوں پر بھی لڑکپن کی مہر لگی ہوئی تھی یعنی لوگ یہ خیال کرتے کہ ان کی باتوں میں جوانی کا جوش زیادہ اور سنجیدگی کم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت کوئی ایسا مجتہد نہ تھا جو نواب صفوی کی اعلانیہ مدد کرتا۔ اس کے علاوہ فدائیانِ اسلام کی اس تحریک کو عوام کی بھرپور حمایت بھی حاصل نہ ہوسکی۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ مالی اعتبار سے یہ تحریک بالکل کمزور تھی اور کسی بھی تنظیم کے لئے مالی بحران خود اپنے آپ میں ایک بڑے مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چوں کہ کسی مجتہد کی طرف سے اس تحریک کے حق میں کوئی فتویٰ صادر نہ ہوا تھا لہٰذا ملک کا کوئی تاجر ہماری مدد کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔

سوال:۔ کیا آپ ان مجتہدین کے نام بتا سکتے ہیں جو نواب صفوی کی حمایت اور حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔؟

جواب:۔ امام موسیٰ صدر کے والد بزرگوار آیۃ اللہ صدر بزرگ نواب صفوی کے طریقۂ کار کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ قم کے بلند مرتبہ عالم دین سید محمد خوانساری بھی نواب صفوی کے مدّاح اور طرفدار تھے۔ اس کے علاوہ انھیں آیۃ اللہ فیض اور آیۃ اللہ حجّت کی بھرپور حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔

سرپرستی اور حمایت سے مُراد یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ کھلے طور پر نواب صفوی کے طرفدار تھے اور فدائیانِ اسلام کے منصوبوں کو عملی جامہ

پہنانے میں دلچسپی لیا کرتے تھے بلکہ یہ لوگ مرحوم نواب کی باتوں کو نہایت ذوق وشوق کے ساتھ سنا کرتے تھے اور خفیہ طور پر اس کی تائید کر دیا کرتے تھے۔

لیکن آیۃ اللہ امینی اور آیۃ اللہ میلانی کی طرف سے فدائیانِ اسلام کو خصوصی حمایت حاصل رہا کرتی تھی یہاں تک کہ ایک روز ہم لوگ علامہ امینی کے پاس بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کہا محمد رضا ایک چور، غاصب اور اسلام دشمن شخص ہے۔ بس اس سے جنگ کرنے کے لئے کسی مجتہد کی طرفداری یا اس کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ امینی مرحوم نواب صفوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور قدم قدم پر ان کی ہر ممکن حوصلہ افزائی بھی کیا کرتے تھے۔ لوگوں سے گفتگو کے دوران علامہ امینی نے متعدد بار یہ ظاہر کیا کہ نواب صفوی اور ان کے جوانمرد ساتھی صراط مستقیم پر ہیں اور حکومت کے خلاف ان کی جدوجہد خالص اسلامی مقاصد کے لئے ہے۔

علامہ امینی سے نواب صفوی کی ملاقات نجف اشرف میں ہوئی تھی۔ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جب نواب صفوی نجف گئے تھے تو علامہ امینی کے یہاں قیام کیا تھا اور زیارت کی غرض سے جب کبھی علامہ امینی مشہد تشریف لاتے تو یا میرے یہاں ٹھہرا کرتے تھے یا آقائے ضیاء کے مکان پر ان کا قیام ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب علامہ موصوف وارد مشہد ہوئے تو ہم لوگوں نے مدرسہ میں عشرۂ مجالس کا پروگرام مرتب کیا۔ ان کی تقریر اس قدر سادہ اور دلچسپ ہوا کرتی تھی کہ ہر روز تقریباً دس ہزار سے زیادہ لوگ مدرسہ میں جمع ہو جایا کرتے تھے اور بعض اوقات تو ایسا بھی

ہوا کہ لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ نہیں رہ جایا کرتی تھی۔

جس کسی مذہبی شخصیت کے بارے میں ہم لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ مرحوم نواب سے اس کے اچھے تعلقات ہیں، ہم لوگ اس کے ارد گرد چکر لگانا شروع کر دیتے تھے تاکہ ظالم حکومت کے زرخرید غلام اُسے پریشان نہ کر سکیں اور اگر کبھی ضرورت محسوس ہو تو ہم لوگ ان کی کچھ خدمت کر سکیں۔ آیۃ اللہ میلانی سے ہم لوگوں کو شرف ملاقات مرحوم نواب کی وجہ سے حاصل ہوا۔ مشہد میں فدائیانِ اسلام کی مرکزی کمیٹی کی میٹنگ آیۃ اللہ میلانی کے مکان پر تشکیل دی گئی۔ انھوں نے میٹنگ کے لئے معقول انتظام بھی کیا۔ حکومت کے لوگوں نے انھیں کئی بار سمجھایا کہ فدائیانِ اسلام جذباتی قسم کے لوگ ہیں۔ انھوں نے آپ جیسے عالم کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور یہ بات آپ کے حق میں کسی صورت سے مفید نہیں ہے۔ لیکن آیۃ اللہ میلانی نے ان باتوں پر کبھی کوئی توجہ نہیں دی اور ہم لوگوں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

مجاہد بزرگ، نواب صفوی کی شہادت کے بعد کسی میں یہ ہمّت نہ ہوئی کہ ان کے فاتحہ کی مجلس منعقد کرتا۔ جہاں تک فدائیانِ اسلام کا سوال ہے کہ ان لوگوں نے مجلس فاتحہ خوانی کا اہتمام کیوں نہیں کیا تو ہم میں سے ہر ایک کے پیچھے حکومت کے لوگ اور ساواک افسران اس طرح لگے ہوئے تھے کہ سانس لینا محال تھا چنانچہ ایسے ماحول میں یہ بات کیوں کر ممکن تھی کہ ہم لوگ اعلانیہ کوئی کام کر سکیں۔ اگر ہم لوگ مجلس فاتحہ خوانی کا اہتمام کرتے تو ظاہر ہے کہ دعوت نامہ پر مستدعیان کی جگہ کچھ عالموں کا نام ہونا

ضروری تھا اور اُن حالات میں یہ بات قطعی ناممکن تھی کہ فاتحہ کی مجلس کے لئے علماء دین کی طرف سے استدعا کی جاتی اس لئے کہ مستدعیان کی گرفتاری میں کوئی تاخیر نہ ہوتی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے اس گرانقدر مجاہد کی مجلس فاتحہ خوانی کا بندوبست نہ ہوسکا۔

فدائیانِ اسلام کی سرگرم کارکُن محترمہ میر دامادی سے ایک گفتگو

سوال :۔ محترمہ میر دامادی! شہید نواب صفوی سے اپنی ملاقات اور دشمنانِ اسلام کے خلاف ان کی جدوجہد اور دلیرانہ سرگرمیوں کے سلسلہ میں آپ کو جو کچھ یاد ہو بیان فرمائیں تاکہ اس بلند مرتبہ مجاھد اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم ہوسکیں۔

جواب :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔ نواب صفوی سے ہماری ملاقات اس وقت ہوئی جب آیۃ اللہ کاشانی اور مجاہد موصُوف کے درمیان گھرے تعلّقات تھے۔ اس وقت ہژیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔ حکومت کے لوگ ان کا تعاقب کر رہے تھے اور وہ دربدر روپوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسی خفیہ زندگی کے دوران ایک روز وہ میرے گھر تشریف لائے اور تقریباً پندرہ روز تک میرے ہی یہاں مقیم رہے۔

میرے یہاں قیام کے دوران نواب صفوی باقاعدہ نماز جماعت،

قائم کیا کرتے تھے۔ ان دنوں ان کی زوجہ ان کے ہمراہ نہ تھیں۔ حکومت کے زبردست تعاقب کی وجہ سے مرحوم نواب نے انھیں قم بھیج دیا تھا میرے گھر میں نواب صفوی کی آمدورفت کچھ اتنی پوشیدہ تھی کہ پڑوسیوں کو بھی اس بات کی اطلاع نہ ہوا کرتی کہ وہ کس وقت تشریف لائے اور کب واپس چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد زوجۂ نواب صفوی قم سے تہران تشریف لے آئیں۔ ہم لوگوں نے آقای جعفری کے مکان پر ان کی رہائش کا انتظام کروادیا۔ اور وہیں ان کی پہلی لڑکی کی ولادت بھی ہوئی۔

کچھ دنوں بعد نواب صفوی کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اپنی روپوش زندگی کو خیرباد کہتے ہوئے میدانِ عمل میں باہر آجائیں۔ چنانچہ میں ان لوگوں کو پہلے اپنے گھر لے آئی اور کچھ دنوں بعد خراسان روڈ پر ایک کرایہ کا مکان لے کر نواب صفوی اور ان کی اہلیہ محترمہ وغیرہ وہاں چلی گئیں اس کے بعد بھی خواتین کا اجلاس میرے ہی مکان پر ہوا کرتا تھا اور اکثر و بیشتر مردوں کی میٹنگ بھی میرے ہی یہاں ہوتی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ جب پہلی بار فدائیانِ اسلام کو گرفتار کیا گیا تو اس تحریک سے تعلق رکھنے والی جملہ خواتین میرے غریب خانہ پر جمع ہوگئیں اور اس سلسلہ میں گفتگو و بحث و مباحثہ شروع ہوا کہ ان کی آزادی کے لئے ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ سب لوگ آیۃ اللہ کاشانی کے یہاں چلیں اور ان سے مشورہ کیا جائے چنانچہ ہم لوگ ان کے پاس گئے۔ انھوں نے ہماری باتوں کو بڑے غور سے سننے کے بعد مفید مشورے بھی دیئے۔

اور کئی بار اس سلسلہ میں وہ میرے گھر بھی تشریف لے آئے ۔

ہم لوگ کئی برسوں تک اس اسلامی تحریک میں ساتھ ساتھ سرگرم عمل رہے اس دوران کئی اہم وقابل ذکر واقعات بھی پیش آئے ۔انھیں واقعات میں ہژیر کا قتل بھی شامل ہے جس کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہیں ۔ لیکن جس رات رزم آرا کا قتل ہونے والا تھا ہم لوگ مرحوم نواب صفوی کے یہاں گئے ۔میرے علاوہ وہاں زوجۂ نواب، خانم عامری، خانم واحدی اور ہماری ایک سہیلی اور تھی جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں ہے ۔

دوپہر ڈھل چکی تھی کہ آقای واحدی گھر میں داخل ہوئے اور سیدھے باورچی خانہ میں گھس گئے ۔ ان کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں تھے ۔چنانچہ میں نے قریب جاکر دریافت کیا کہ آخر کیا بات ہے جس کی وجہ سے آپ کچھ پریشان حال نظر آرہے ہو ۔ کہنے لگے رزم آرا کو قتل کردیا گیا ۔میں نے پھر دریافت کیا کہ آخر کب کس نے اور کیسے لیکن انھوں نے میرے سوالوں کا کوئی جواب نہ دیا اور فوراً ہی گھر کے باہر نکل گئے ۔

صبح کے وقت ہم لوگ عبدُالعظیم گئے ۔ وہاں پر حسب معمول زیارت کرنے والوں کی اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا تھی ۔تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ آئے اور زائرین کو زیارت گاہ سے باہر نکالنا شروع کردیا ۔میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ آخر کیا بات ہے ۔لوگوں کو زیارت گاہ سے باہر کیوں کیا جارہا ہے ۔کہنے لگے کہ رزم آرا کی لاش دفن کے لئے یہاں لائی جانے والی ہے ۔ہم لوگوں نے کہا کہ یہاں سے باہر نہیں نکلیں گے مگر تھوڑی

دیر پولیس کے اعلیٰ افسران آئے اور کہنے لگے کہ اس جگہ کسی شخص کو رُکنے کی اجازت نہیں ہے لہذا آپ لوگ بھی فوراً باہر نکل جائیں۔ غرض کہ ہم لوگ بھی باہر آگئے۔ کیا دیکھا کہ بازار عبدُالعظیم میں ایک بہت بڑی بھیڑ جمع ہے اور راستہ پار کرنا ناممکن ہے اتنی بھیڑ کو چیرتے ہوئے گھر واپس ہونا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال نظر آنے لگا اور طبیعت انتہا سے زیادہ پریشان ہوگئی آخراب کیا کیا جائے اسی جگہ ایک فرش بیچنے والے کی دوکان تھی۔ اس دوکاندار کو ہم لوگوں کی پریشانی کا اندازہ ہوگیا چنانچہ اس نے ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ دوکان کے اندر آجایئے۔ اس بھیڑ میں مردوں کا نکلنا دشوار ہے چہ جائیکہ آپ لوگ تھوڑی دیر میں بھیڑ کم ہوجائے گی تو چلی جایئے گا۔ ہم لوگ شکریہ کے ساتھ اس کی دوکان میں داخل ہوگئے اور شام تک مجبوراً وہیں بیٹھے رہے۔

ہم لوگ دوکان میں فرش کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے تھے لہذا باہر کے تمام مناظر بہت ہی صاف نظر آرہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک نہایت ہی دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کا دوبارہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

رزم آرا کی لاش دفن کے لئے لائی جانے والی تھی۔ ایک شخص اس کام کیلئے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو خبر دیتا رہے کہ لاش کی گاڑی کہاں تک پہنچ چکی ہے اور کتنی دیر بعد عبدالعظیم پہنچ جائے گی۔ چنانچہ وہ شخص تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مجمع کے درمیان آتا اور اعلان کرتا کہ لاش فلاں جگہ تک پہنچ چکی ہے اور تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ اسی اثنا میں

لوگوں نے دیکھا کہ ایک کُتّا اس منادی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ مجمع میں جس طرف منادی جاتا یہ کُتّا نہایت ہی خوفناک آواز میں بھونکتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیتا۔ یہ منظر دیکھ کر سارا مجمع ہنسنے لگا اور اچھا خاصہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ دراصل یہ کُتّا رزم آرا کا مونس و یار ہے چنانچہ اپنے ساتھی کی جُدائی کے غم میں گریہ کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ تھوڑی دیر بعد نہایت ہی شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ رزم آرا کی لاش وہاں پہنچ گئی لاش کے ہمراہ اس کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی تھے۔

تھوڑی ہی دنوں بعد شہید نواب صفوی کو اس قتل کے سلسلہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ ہر شب بارہ بجے کے بعد میرے شوہر حاج آقا نواب صفوی کی خدمت میں پہنچ جایا کرتے تھے اور تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد واپس آجایا کرتے تھے۔ گھر میں سبھی بچّے گہری نیند سو جاتے تھے لیکن میں ان کے انتظار میں جاگتی رہتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے بہت ممکن ہے کسی روز پولیس والے میرے گھر چھاپہ ماریں تو تم قطعی خوفزدہ نہ ہونا وہ لوگ صرف ہمیں گرفتار کرنے کے لئے ہی چھاپہ ماریں گے کیوں کہ نواب صفوی سے میرے یہ تعلقات ان کی نگاہ میں جرم کے مترادف ہیں ساتھ ہی یہ بھی تسکین دیتے کہ اگر میں قیدخانہ میں ڈال دیا جاؤں تو قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک رات ہم لوگ بیٹھے ہوئے نواب صفوی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے دو تین سو گھوڑے میرے مکان سے ملی ہوئی گلی میں آگئے ہوں۔

میں نے اپنے شوہر سے کہا جلدی کھڑے ہو جایئے اور اپنے کو بچانے کی ترکیب کیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھاپہ مار پولیس دستہ گلی میں داخل ہو چکا ہے۔ میں نے ان سے بہت اصرار کیا مگر چوں کہ میں اکیلی تھی لہذا وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں اور تھوڑی دیر میں ان چھاپہ ماروں نے میرا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ میں دروازہ کے قریب پہونچی اور کہنے لگی کون ہے؟ ان لوگوں نے دریافت کیا کہ اکبری صاحب کا مکان یہی ہے۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ ان لوگوں نے کہا دروازہ کھولو۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا تقریباً دو تین سو رنگروٹ گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ اور گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر اس کے بعد کونے کونے کی تلاشی لینا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حوض اور پانی کی ٹنکی کے اندر جھانک کر بھی دیکھا۔ بچوں کے کپڑوں کے صندوق کو بھی کھول ڈالا اور سارا سامان اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ ان کی اس نازیبا حرکت سے مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت سختی کے ساتھ کہا آخر آپ لوگ یہاں کس لئے آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں اگر آپکا مقصد میرے شوہر کی گرفتاری تھی تو پھر یہ خانہ تلاشی کس بات کی ہے۔ لیکن میری باتوں کا ان لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کام میں لگے رہے۔ میرے گھر میں شکوری صاحب کی تصویر لگی ہوئی تھی اور ان کی شکل نواب صفوی سے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ اس تصویر کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ چیخ پڑے اور کہنے لگے کہ اسے فوراً گرفتار کر لو۔ نواب صفوی کی تصویر برآمد ہو گئی ہے۔ دراصل میرے شوہر کا بیان تھا کہ میں نواب صفوی

کو نہیں جانتا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس تصویر کو انکے سامنے لاتے ہوئے کہا کہ ابھی تم کہہ رہے تھے کہ نواب صفوی کو نہیں پہچانتے پھر یہ تصویر تمہارے گھر میں کہاں سے آئی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس تصویر کو خوب اچھی طرح دیکھ لو کہ یہ نواب صفوی کی تصویر ہے یا کسی دوسرے کی۔ اگر تم لوگ ذرہ برابر پڑھے لکھے ہوتے تو کبھی یہ نہ کہتے کہ یہ تصویر نواب کی ہے۔ جب ان لوگوں نے غور سے دیکھا تو تصویر کے نیچے اشکوری صاحب کا نام لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی اس حرکت پر بہت شرمندہ ہوئے۔

اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے کہا۔ اچھا اب ہو گیا۔ تمہیں جو کچھ کرنا تھا کر چکے اب میرے گھر سے باہر نکل جاؤ۔ تم لوگوں کا کام ہی یہ ہے کہ لوگوں کو اذیت پہنچاؤ۔

ان لوگوں نے کہا۔ عجیب تیز زبان والی عورت ہے۔

میں نے کہا۔ آخر زبان درازی کیوں نہ کروں۔ تم لوگوں کو اپنی اس نازیبا حرکت پر شرم نہیں آتی۔ مختصر یہ کہ وہ لوگ میرے شوہر کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔ کہنے لگے کہ نواب صفوی سے تمہارے گہرے تعلقات ہیں۔ اگر تم ہمیں ان کی تصویر اور کتابیں دیدو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے۔ میرے شوہر نے کہا آپ لوگوں کو غلط فہمی ہے۔ میں نواب صفوی کو بالکل نہیں جانتا پھر ان کی تصویر یا کتابوں کا میرے پاس ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب میرے شوہر کو گرفتار کر کے لے جانے لگے تو میں پا برہنہ گلی تک چلی گئی تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ میرے وارث کو گرفتار کرنے کے لئے کتنے لوگ آئے ہیں اور کہاں لے جا رہے ہیں۔

کیا دیکھتی ہوں کہ گلی کے اس کنارے تک صف در صف پولیس کی گاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں اور سینکڑوں شاہی غلام پولیس وردی پہنے ہوئے گھر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے یہاں اتنے لوگ اکٹھا ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ کسی معمولی شخص کی گرفتاری کا مسئلہ نہیں تھا کہ دو چار لوگ چلے آتے۔ میں نے جواب دیا وہ تو ٹھیک ہے مگر آخر کار گرفتار تو ایک ہی آدمی کو کرنا تھا پھر اس قدر خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

مختصر یہ کہ وہ لوگ میرے شوہر کو گرفتار کر کے لے گئے۔ راستہ میں میری دوکان تھی اس میں میرا ملازم عباس سو رہا تھا۔ ان لوگوں نے دوکان کھلوائی اور اس کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ دوکان میں سید حسین امامی کی تصویر پڑی ہوئی تھی۔ سید حسین امامی ہژیر کے قتل کے سلسلہ میں مجرم شمار کئے جاتے تھے۔ اس تصور کو پانے کے بعد ان بے رحم پولیس والوں نے میرے خادم عباس مشہدی کو بری طرح مارنا شروع کر دیا کہنے لگے کہ تجھ کو نواب کے بارے میں بھی اطلاع ہے۔ بتا نواب صفوی کہاں ہیں۔ وہ بار بار یہی جواب دیتا کہ میں نواب صفوی کو بالکل نہیں جانتا لیکن وہ ظالم اسے بے تحاشہ مارتے چلے گئے آخر کار اس نے کہا اچھا چلو میں تمہیں ان کا پتہ بتاتا ہوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے عباس مشہدی کو گاڑی میں بٹھایا اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑے۔ عباس مشہدی ان لوگوں کو حاج شیخ سید محمد حسن طالقانی

کے مکان پر لے گیا۔ یہ لوگ گاڑی سے اتر کر شیخ حسن طالقانی کے مکان میں زبردستی گھس گئے۔ ڈیوڑھی میں ان کی بوڑھی اور بیمار والدہ لیٹی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور پوچھنے لگے کہ بتاؤ نواب کہاں ہیں۔ وہ مومنہ مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگیں اور کوئی جواب نہ دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان ظالموں کی اس حرکت سے ان پر اتنا خوف طاری ہوا کہ اس کے دوسرے ہی روز وہ رحلت کر گئیں۔ جب انھیں اس مومنہ سے کوئی معلومات فراہم نہ ہوئی تو وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں شیخ حسن طالقانی اور ان کے لڑکے آقا مہدی بے خبر سو رہے تھے۔ آقا مہدی کی شکل نواب صفوی سے قدرے ملتی جلتی تھی چنانچہ ان ظالموں نے اسے بے تحاشہ مارنا شروع کر دیا اور زور زور سے چلّانے لگے کہ نواب صفوی مل گئے۔ وہ بے چارہ بار بار یہی کہتا رہا کہ بھائیو مجھے کیوں مارتے ہو۔ میں نے آخر کیا خطا کی ہے۔ میرا نام مہدی ہے۔ میں نواب صفوی نہیں ہوں۔ آخر تم لوگوں کو کس نے بتا دیا کہ میں نواب صفوی ہوں۔ اس شخص کو میرے سامنے لے آؤ وہ خود پہچان لے کہ میں مہدی ہوں نواب صفوی نہیں ہوں۔

اس کی فریاد کو سن کر کچھ پولیس افسران دوڑتے ہوئے باہر گئے اور عباس مشہدی کو گاڑی سے اُتار کر لے آئے۔ اس نے آتے ہی کہا۔ بھائی یہ نواب صفوی نہیں ہیں یہ تو حاج شیخ حسن کے لڑکے آقای مہدی ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بیچارے مہدی کو چھوڑ دیا اور گھر سے باہر چلے گئے۔

مختصر یہ کہ ان ظالموں نے میرے شوہر اکبری صاحب اور خادم عباس مشہدی کو قید خانہ کے سپرد کر دیا۔ قید خانہ میں میرے شوہر نامدار کو علحدہ کمرے میں قید کیا گیا اور اس سے متصل کمرے میں عباس مشہدی کو رکھا گیا۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے بات چیت بھی نہ کر سکتے تھے۔ لیکن دونوں کمروں کے درمیان والی دیوار میں شیشہ لگا ہوا تھا۔ میرے شوہر نے اشارہ سے عباس مشہدی کو سمجھایا کہ تجھ سے چاہے جتنا دریافت کریں مگر یہی کہنا کہ میں نواب صفوی کو بالکل نہیں جانتا تو کیا بتاؤں کہ وہ کہاں ہیں۔ اور یہ اس کی وفاداری کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ قید خانہ میں بھی طرح طرح کی اذیت برداشت کی مگر یہی کہتا رہا کہ میں کیا جانوں نواب صفوی کون ہیں۔ بالآخر اسے آزاد کر دیا گیا۔

چند مہینوں تک میرے شوہر قید خانہ میں پڑے رہے۔ میں ہر ہفتہ ان سے ملاقات کرنے چلی جایا کرتی تھی۔ آخرکار انھیں بھی آزاد کر دیا گیا۔ آزادی حاصل کرتے ہی وہ پھر نواب صفوی اور دوسرے دوستوں کے ساتھ سرگرم عمل ہو گئے۔

کچھ دنوں بعد انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا وہ اس طرح کہ وہ گھر پر نہیں تھے۔ نواب صفوی کی بیوی نیر السادات اور آقای واحدی کا چھوٹا لڑکا جواد میرے ہی گھر میں تھے۔ اسی اثنا میں ظالم شاہی حکومت کے افسران میرے گھر میں داخل ہو گئے۔ پہلے کی طرح اس بار ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ اس کمرے میں گھس آئے جہاں ہم لوگ

بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک جوان کا سردار معلوم ہوتا تھا کمرے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا جو جہاں ہے خاموشی سے اسی جگہ کھڑا ہو جائے۔ میں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ آخر کیوں؟ اس نے کہا میرا حکم ہے کہ کھڑی ہو جاؤ تو پھر اس میں کسی چوں چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے بس خاموشی سے اپنی جگہ پر کھڑی ہو جاؤ۔ میں مجبوراً کھڑی تو ہو گئی مگر خاموش نہیں رہی۔ اور کہنے لگی تم لوگوں کو ذرہ برابر بھی عقل نہیں ہے۔ اگر عقلمند ہوتے تو کسی کے گھر میں آدھی رات گئے اس طرح زبردستی نہ گھس آتے۔ اگر اتنی رات گئے ان سوتے ہوئے بچوں کی آنکھ کھل گئی اور تمہیں دیکھ لیا تو کوئی عجیب نہیں کہ یہ مارے خوف کے ہلاک ہو جائیں۔ آخر تم لوگ کتنے بڑے ظالم ہو۔ انسانیت نام کی چیز سے بھی قطعی ناواقف ہو۔ ابھی میں یہ باتیں کہہ ہی رہی تھی کہ میرے شوہر گھر میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی انھوں نے یہ منظر دیکھا اُلٹے پاؤں واپس ہونے لگے مگر دیوار سے لگے ہوئے سپاہیوں نے ان کا راستہ روک لیا اور وہ باہر نہ جا سکے۔ مختصر یہ کہ ان کے پیچھے جو بھی آیا وہ ان ظالموں کے ہاتھوں قید ہوتا چلا گیا۔

آخر کار میرے شوہر نے آگے بڑھتے ہوئے روٹی کا لفافہ میرے ہاتھوں میں پکڑا دیا اور ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سرکاری افسر ہیں اور تمہیں گرفتار کرنے

کے لئے آئے ہیں۔ مختصر یہ کہ میرے شوہر کے ساتھ ہی ساتھ آقائے رفیعی، آقائے احرار، آقائے دولابی اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ اور ایک مہینہ تک ہم لوگوں کو ملاقات کا موقع بھی نہ دیا گیا۔

ایک ماہ گزرنے کے بعد ایک روز بچوں کو لئے ہوئے میں قیدخانہ کے دروازہ پر پہنچ گئی۔ وہاں ایک پہرے دار کھڑا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھکر کہا۔ محترمہ! کیا کام ہے کیسے آئی ہو؟ میں نے کہا۔ اپنے شوہر سے ملاقات کرنے کے لئے آئی ہوں۔

اس نے کہا۔ کیسی ملاقات اور کس سے؟

میں نے کہا۔ فدائیانِ اسلام حاج آقا اکبری سے ملنا ہے۔

اس نے کہا۔ ملاقات نہیں ہوسکتی واپس چلی جاؤ۔

میں نے کہا۔ آخر کیا بات ہے۔ ملاقات کیوں نہیں ہوسکتی۔ ان کو گرفتار کر کے لائے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ گزر گیا۔ اُن بچوں نے تو مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے۔

اس نے نہایت بیرحمی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ میں نے بتا دیا کہ ملاقات نہیں ہوسکتی واپس جاؤ۔ میں نے کہا۔ کوئی بات نہیں میں تو واپس چلی جاتی ہوں مگر اس شرط پر کہ ان بچوں کو بھی قیدخانہ میں ڈال دو۔ جو ان کے باپ کو گرفتار کر کے لایا ہے اس سے کہو کہ ان بچوں کی بھی پرورش کرے۔ اب میرے اندر اتنا حوصلہ باقی نہیں رہ گیا کہ ان کی دیکھ بھال کرسکوں۔

اس پہرے دار نے کہا۔ زیادہ باتیں مت کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ۔ میں نے جواب دیا۔ میں ہرگز واپس نہیں جاؤنگی۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہیں یا تم لوگوں نے انھیں مار ڈالا۔ آخر انھوں نے کوئی چوری یا رہزنی تو نہیں کی ہے۔ ایک فدائی اسلام کے ساتھ اس طرح کا سلوک اچھا نہیں ہے۔

میری ان باتوں کو سن کر اس پولیس افسر نے کھڑکی سے باہر جھانکا جو انھیں گرفتار کرنے کے لیے میرے گھر آیا تھا۔ چنانچہ اس کو دیکھتے ہی میں نے چلاّ کر کہا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ایک ماہ قبل میرے شوہر کو گرفتار کیا تھا۔ اور اب مجھے ان سے ملاقات کا موقع بھی نہیں دیا جاتا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اُن بچوّں کو بھی اپنے پاس رکھ لے۔ میرے اندر اتنی طاقت نہیں رہ گئی کہ تنہا ان بچوّں کی پرورش کرسکوں۔

اسی جگہ ایک پولیس افسر کھڑا ہوا تھا۔ خدا اس پر رحمت نازل کرے اس نے نہایت ہی شفقت آمیز لہجے میں مجھ سے دریافت کیا۔

محترمہ آخر کیا بات ہے۔ آپ اس قدر کیوں پریشان ہیں۔

میں نے کہا۔ جنابعالی۔ ایک ماہ قبل میرے شوہر کو صرف اس جُرم میں گرفتار کرلیا گیا کہ وہ اسلام کے فدائی ہیں اور اب مجھے ان سے مُلاقات کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ تو میری عرض یہ ہے کہ یا تو مجھے ملاقات کی اجازت دی جائے یا پھر ان بچوں کو بھی گرفتار کر کے ان کے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے کیوں کہ ان بچوں نے مجھ کو دیوانہ کر رکھا ہے۔ ہر وقت یہی پُوچھتے ہیں کہ بابا جان کہاں ہیں۔

اس نے کہا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آپ کی ملاقات کا انتظام کرواتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ اکیلے ملاقات کر آئیں پھر بعد میں ان بچوں کو بھی ان کے والد سے ملا دیا جائے گا۔ یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ بچوں کی چچی میرے ہمراہ تھیں۔ میں نے ان سے کہا آپ بچوں کو دیکھئے میں ملاقات کر کے آتی ہوں۔

اس طرح میں افسر کے ہمراہ قید خانہ کے اندر چلی گئی۔ چوں کہ قید خانہ کے اندر جانے کا پہلا اتفاق تھا اس لئے مجھے خوف معلوم ہو رہا تھا پھر بھی میں پروردگار کا نام لیتے ہوئے آگے بڑھتی چلی گئی ایک بڑے سے صحن سے گزرنے کے بعد مجھے ایک جگہ پر روک کر اس شخص نے آواز دی کہ حسین اکبری کھڑکی کے سامنے آجاؤ تم سے ملنے کے لئے تمہاری زوجہ آئی ہیں۔ اس کی آواز سن کر تقریباً پندرہ بیس لوگ اس کھڑکی کے سامنے آگئے اور سب نے اپنے اپنے گھر کا حال دریافت کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ہر ایک کو اس کے گھر کے حالات بتائے اور تقریباً آدھے گھنٹہ تک ان لوگوں سے گفتگو کرتی رہی۔ اس کے بعد ملاقات کا وقت تمام ہو گیا۔

میں اپنے شوہر سے ملنے کے بعد واپس لوٹ رہی تھی۔ میرے ہمراہ وہ پولیس افسر بھی تھا۔ راستہ میں۔ میں نے اس سے کہا۔ اے بندۂ خدا! کیا یہ ممکن ہے کہ میں آقائے واحدی سے بھی ملاقات کر لوں۔

اس نے کہا۔ آقائے واحدی سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔

میں نے کہا۔ میں ان کی چچازاد بہن ہوں۔

اس نے میری درخواست قبول کرلی اور کہا آپ یہیں تشریف رکھئے میں آقائے واحدی کو بلوائے دیتا ہوں۔

آقائے واحدی اور ان کے دوست سیّد ہاشم آنگن کے دوسری طرف والے کمرے میں مقیّد تھے۔ کچھ ہی لمحہ بعد مسلح سپاہیوں کے ساتھ آقائے واحدی کو وہاں لے آیا گیا۔ اور ہم لوگوں نے ایک دوسرے کی احوال پُرسی کی۔ مسلح سپاہی ہم لوگوں کے نزدیک ہی کھڑے تھے تاکہ ہونے والی گفتگو کو باقاعدہ سُن سکیں۔

انھوں نے پہلے اپنے گھر والوں کے حالات دریافت کئے۔ میں نے کہا سب لوگ نہایت سلامتی اور خیریت کے ساتھ میرے ہی یہاں مقیم ہیں۔

پھر اس کے بعد انھوں نے پوچھا۔ آپ نے آقائے اکبری سے ملاقات کی۔ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔

پوچھنے لگے۔ ان سے ملاقات کے لئے آپ کو کہاں لے جایا گیا تھا۔

میں نے آنگن کے اس طرف والے کمرے میں وہ لوگ مقیّد ہیں۔ میں کمرے کے سامنے کھڑکی کے پاس کھڑی ہوگئی تھی اور کھڑکی کے اس طرف وہ کھڑے ہوئے تھے اس طرح ملاقات ہوگئی۔ اتنا سننا تھا کہ آقائے واحدی مارے غصّے کے کانپنے لگے اور جیل خانہ کے افسروں کو مخاطب کرتے ہوئے غرّائے۔

حرام زادو! اے کمینو! تم نے ایک شریف اور عالی مرتبت گھرانے کی خاتون کو کھڑکی کے پاس روک کر اس کے شوہر سے مُلاقات کا موقع فراہم کیا ہے۔

آخر تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ معصوم بچوں کو بھی اپنے باپ سے ملاقات کی اجازت نہیں دی۔ فوراً جا کر اکبری صاحب کو اس جگہ لے آؤ ورنہ میں انکی بیوی کو قید خانہ سے باہر نہیں جانے دوں گا۔ میں نے گھبرا کر آقائے واحدی سے کہا۔ آپ کو خدا اور رسولؐ کا واسطہ۔ خاموش ہو جایئے۔ میرے لئے قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ان لوگوں کو گالیاں نہ دیں ورنہ میں عورت ذات ہوں اور اکیلی ہوں۔ ہو سکتا ہے بعد میں یہ لوگ مجھے پریشان کریں۔ لیکن میری بات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر چلاتے چلے گئے۔

مختصر یہ کہ اس نیک صفت پولیس افسر نے آقائے واحدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ شور مت کیجئے۔ میں کل ان کی ملاقات کا بندوبست بھی کروا دوں گا۔ تنہا یہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ اور جو لوگ بھی اکبری صاحب سے ملاقات کرنا چاہیں گے ان کو اجازت دے دوں گا۔ بلا وجہ غصّہ کرنے اور چلاّنے سے قطعی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کی اس بات سے واحدی صاحب کا غصّہ تھم گیا اور مجھ سے کہنے لگے کل صبح سات بجے آپ یہاں آجایئے گا۔ میں نے کہا بہتر ہے۔

میں نے ماحول کو سازگار پاتے ہی آقائے واحدی کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر ممکن ہوتا تو سیّد ہاشم اور دوسرے ساتھیوں سے بھی ملاقات کر لیتی۔ واحدی صاحب نے قید خانہ کے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھ اور جو لوگ مقید ہیں ان سے کہدو کہ سب باہر

آجائیں ۔

مختصر یہ کہ سیّد ہاشم اور دوسرے تمام ساتھی وہاں آگئے۔ میں نے سب کی احوال پرسی کی اور ان لوگوں کو ان کے گھر والوں کی خیریت بتائی۔ میں نے کہا کہ ایک ماہ گزر گیا اور ان لوگوں نے ملاقات کی اجازت نہیں دی۔ آج میں نے شور وغل مچایا تو اجازت مل گئی۔

ان لوگوں نے کہا واقعی آپ نے بڑی ہمّت سے کام لیا ہے ورنہ یہ لوگ آسانی سے ملاقات کی اجازت نہیں دیتے۔

دوسری صبح میں نے جلدی جلدی بچوں کو تیار کیا اور ٹھیک وقت پر قیدخانہ کے دروازہ پر حاضر ہوگئی پہرے دار نے مجھے دیکھتے ہی اس پولیس افسر سے کہا کہ جو عورت کل ملاقات کے لئے یہاں آئی تھی باہر کھڑی ہوئی ہے اور آج پھر ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں انھیں کے انتظار میں ہوں۔ کہو دوسرے والے دروازے سے اندر آجائیں۔

جیسے ہی میں دوسرے والے دروازے سے قیدخانہ کے اندر داخل ہونے لگی دوسرے پہرے داروں نے شور کرنا شروع کر دیا کہ آج ملاقات کا دن نہیں ہے آخر تم کیوں آئی ہو۔

اس پولیس افسر نے ان لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ دور ہٹ جاؤ اور ان لوگوں کو اندر آجانے دو۔ یہ لوگ میری اجازت سے اندر آرہے ہیں۔

قیدخانہ کے اندر وہ پولیس افسر مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور کہا آپ یہیں تشریف رکھئے میں اکبری صاحب کو بلوائے دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد

وہ اکبری صاحب کو ساتھ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ حیران رہ گئے کہ آخر بات کیا ہے۔ مجھ سے پوچھا کہ کل تو تم مجھ سے مل کر گئی ہو آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ آج پھر ملاقات کی اجازت مل گئی۔

میں نے سارا واقعہ ان کے سامنے بیان کر دیا۔ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے واقعی تم نے بڑی ہمت سے کام لیا ہے۔

اس پولیس افسر نے کہا کہ جو بات کرنی ہو آرام سے کیجئے۔ قطعی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح میں ایک گھنٹے تک اپنے شوہر سے باتیں کرتی رہی اور اس کے بعد بڑے اطمینان سے واپس چلی آئی۔ گھر آکر میں نے تمام فدائیانِ اسلام کے گھر والوں سے اپنا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اگر ملاقات مقصود ہے تو قید خانہ کے دروازہ پر جا کر مظاہرہ کرو ورنہ یہ لوگ کبھی ملاقات کی اجازت نہ دیں گے۔

غرض کہ اگلے ہفتے سبھی لوگ اپنے اپنے وارثوں سے ملاقات کرنے کے لئے قید خانہ کے دروازہ پر جمع ہو گئے۔ پہلے تو ان لوگوں نے اجازت دینے سے انکار کیا لیکن جب اُن لوگوں نے شور وغل مچانا شروع کیا تو سب کو اجازت مل گئی۔ پھر اس کے بعد تو ملاقات کے لئے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اور کچھ دنوں بعد وہ آزاد کر دیئے گئے۔

تقریباً تین برس تک نواب صفوی کی بیوی میرے ہی مکان میں قیام پذیر تھیں۔ اور ہم لوگ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ ایک روز

میرے بھائی کی شادی تھی۔ میں نے نواب صفوی کو بھی دعوت نامہ دیا کہ وہ شادی میں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ حسبِ وعدہ وہ رات میں شادی میں شرکت کی غرض سے وہاں حاضر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پولیس والوں نے میرے گھر پر چھاپا مارا اور جملہ مہمانوں کے سامنے میرے شوہر اور دوسرے لوگوں کیساتھ ہی نواب صفوی کو بھی گرفتار کرکے لے گئے۔

ان لوگوں کا کہنا تھا کہ تم لوگوں نے شادی میں نواب صفوی کو کیوں بلایا۔ غرض کہ ہم لوگ کچھ دیر تک تھانے کے باہر کھڑے رہے پھر یہ کہہ کر واپس چلے آئے کہ اگر خدا نے چاہا تو یہ لوگ اسی وقت آزاد کر دیئے جائیں گے۔

ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ سب لوگ گھر واپس آگئے۔ میں نے متعجب ہو کر اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ آخر آپ لوگوں کو آزادی کیسے ملی۔ انھوں نے بتایا کہ نواب صفوی نے پولیس افسروں کو ڈانٹنا پھٹکارنا شروع کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ ان لوگوں نے ہمیں فوراً ہی رہا کر دیا۔ غرض کہ مصدق اور رزم آرا کے دورِ حکومت میں فدائیانِ اسلام کی گرفتاری کوئی خاص بات نہ تھی۔ آئے دن پولیس افسران فدائیانِ اسلام کو بغیر کسی قانونی جرم کے گرفتار کر لیا کرتے تھے اور بعد میں انھیں آزاد کرنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ اسی درمیان ایک مرتبہ پھر نواب صفوی کو گرفتار کر لیا گیا۔ جیسے ہی ہم لوگوں کو ان کی گرفتاری کے سلسلہ میں اطلاع ملی فدائیانِ اسلام سے تعلق رکھنے والی خواتین کی اچھی خاصی تعداد میرے گھر پر جمع ہو گئی۔ ہم لوگ سیدھے پولیس اسٹیشن پہونچے۔ وہاں پہونچنے پر کیا دیکھا کہ عورتوں کی ایک بھیڑ تھانے کے دروازے

پر پہلے ہی سے موجود ہے۔ ہم سبھی لوگوں نے پولیس افسران سے مطالبہ کیا کہ نواب صفوی اور ان کے ساتھیوں سے مُلاقات کا موقع دیا جائے۔ ان لوگوں نے صاف صاف انکار کر دیا لیکن ہماری طرف سے بھی ملاقات کا اصرار بڑھتا چلا گیا۔ لیکن ان لوگوں نے کسی صورت سے ہماری بات نہ سُنی اور یہی کہتے رہے کہ تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جاؤ ملاقات کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔ لیکن ہم لوگوں نے بھی فیصلہ کر رکھا تھا کہ بغیر ملاقات کئے ہوئے گھر واپس نہ جائیں گے۔

اسی جگہ پر ایک پُولیس افسر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ ہم لوگوں کو تھانے کے احاطہ میں داخل ہونے کی اجازت دیدی جائے۔ پہلے تو اس نے انکار کیا لیکن تھوڑی دیر بعد اجازت دیدی اور ہم لوگ اندر چلے گئے۔ سامنے ہی پولیس چیف کا کمرہ تھا۔ نواب صفوی کی بیوی نیر السادات نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ ان ظالموں کے سامنے جناب زینبؑ کا کردار ادا کروں، اس کے بعد انھوں نے ظالم حکومت اور پولیس والوں کی غیر انسانی حرکتوں کے خلاف نہایت بلند آواز میں تقریر کرنا شروع کر دی۔

ان کی تقریر سُن کر وہ پولیس چیف اپنے کمرے سے باہر آیا اور زوجۂ نواب صفوی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھئے میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ میری بہن۔ تقریر کرنے اور شور مچانے سے قطعی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آج ملاقات کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے لہذا میرا مشورہ ہے کہ آپ لوگ گھر واپس چلی جائیں۔

اس کی بات سن کر زینب السادات کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگیں۔ جیسے بدبخت بھائی کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر میرا حقیقی بھائی بھی تیری جیسی حرکت کرتا تو میں پروردگار سے دعا کرتی کہ وہ اسے اس دنیا سے اٹھالے۔ اور اس وقت بھی اپنے اللہ سے یہی دعا کرتی ہوں کہ تم جیسے ظالموں کو موت آجائے جنھیں اپنے دین کی آبرو کا کوئی خیال نہیں ہے وہ دوسروں کی عزت و آبرو کا کیا خیال کریں گے۔ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک ملاقات نہیں کرلوں گی یہاں سے واپس نہیں جاؤں گی۔

اس کے بعد جملہ خواتین نے آپس میں طے کیا کہ چاہے یہ لوگ ہمیں جان سے مار ڈالیں مگر بغیر ملاقات کئے ہوئے واپس نہیں جانا ہے۔

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

ادھر قید خانہ کے اندر فدائیان اسلام حکومت کی طرف سے کی جانے والی ظالمانہ روش کے خلاف بھوک ہڑتال کئے ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ہم لوگوں کی پشت پر سینکڑوں اسلحہ بردار سپاہی ہمارا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ میں نے خانم جعفری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھئے مسلح سپاہیوں نے ہم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ انھوں نے نہایت ہی زوردار آواز میں ان شاہی کتوں کو برا بھلا کہنا شروع کردیا۔

کہنے لگیں اے حرام خورو! چاہے تم لوگ ہمارے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر ڈالو مگر بغیر ملاقات کئے ہوئے ہم لوگ گھر واپس نہیں

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

۔ ہمیں اسلحہ دکھا کر خوفزدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ خدا کی راہ میں
والے تمہارے اسلحوں کی قطعی پرواہ نہیں کرتے ۔

تھوڑی دیر بعد ان پولیس افسروں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ ذرا ان عورتوں کی دلیری تو دیکھئے۔ آخر کار بدرجہ مجبوری ان لوگوں کو ملاقات کی اجازت دینی پڑی ۔

جیسے ہی ہم لوگ قید خانہ کے اندر داخل ہونے لگے۔ پولیس افسروں نے ہمارے اُوپر گوناگوں سوالات کی بوچھار کردی۔ لیکن خدا کا شکر کہ ہمارے جواب ایسے تھے کہ وہ لوگ خاموش ہو کر رہ گئے۔

قید خانے کے اندر ایک بہت بڑا باغ تھا جہاں تھوڑی دُور پر مسلح پہرے دار کھڑے ہوئے تھے ۔ جیسے ہی ہمارے وارثوں نے دیکھا اپنے کمروں سے باہر آگئے اور ایک زوردار نعرہ بلند کیا ۔ فدائیانِ اسلام زندہ باد۔

ہم لوگوں کے قریب آکر سبھی لوگوں نے ایک ساتھ کہنا شروع کیا ۔ بھائی! ماشاءاللہ۔ ہماری عورتیں تو شیر کی طرح بہادر ہیں ۔ آج ہی نواب صفوی کو گرفتار کیا گیا ہے اور آج ہی ان عورتوں نے ملاقات کی اجازت حاصل کرلی یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے ۔ جو کام مردوں کے لئے ناممکن تھا وہ ان عورتوں نے کر دکھایا ۔

اس کے بعد ہم لوگ اس کمرے کے سامنے پہنچے جہاں نواب صفوی کو بند کیا گیا تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو پوچھنے لگے کون ہے ؟

میں نے جواب دیا کہ دروازہ کھولئے ہم لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔ بڑی حیرت کے ساتھ انھوں نے دروازہ کھولا اور پوچھنے لگے تم لوگوں کو ملاقات کی اجازت کیسے مل گئی۔ ہم لوگوں نے سارا واقعہ بیان کردیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور ہم لوگوں کی بہادری کی تعریف کرنے لگے۔

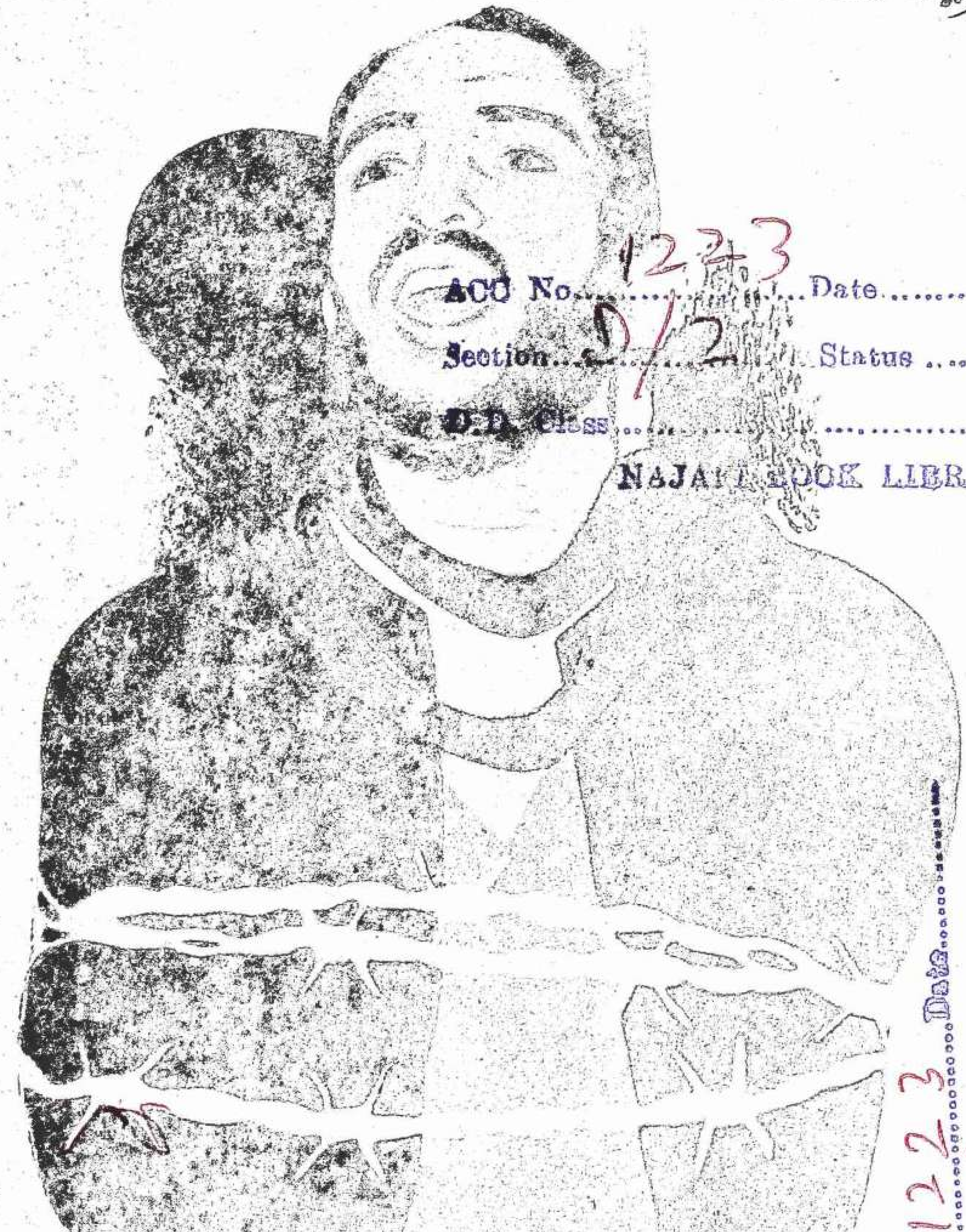

ACC No. 1223 Date
Section D/2 Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

ACC No. 1223 Date
Section D/2 Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

سازمان تبلیغات اسلامی
روابط بین‌الملل
تهران ص. ب. ۱۴۱۵۵/۱۳۱۳
جمهوری اسلامی ایران

بها : ۱۸۰ ریال